نام کتاب : بنیادی عقائد (مقدمۃ فی العقیدۃ للقیروانی کی شرح کا اردو ترجمہ)

مولف : فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن حمد العباد (حفظہ اللہ)

صفحات : ۳۳۶

مترجم : فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی (حفظہ اللہ)

ناشر : مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

:: www.AsliAhleSunnet.com ::

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

وسائلِ بخشش

۱۶. قولہ : وان اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضاعف لعبادہ المؤمنین الحسنات، وصفح لھم بالتوبۃ عن کبائر السیئات ،وغفر لھم الصغائر باجتناب الکبائر، وجعل من لم یتب من الکبائر صائرا إلی مشیئتہ ﴿ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مؤمن اور موحد بندوں کی نیکیوں کو خوب بڑھا دیتا ہے، اور ان کی توبہ کے بہ سبب ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، اور بڑے گناہوں سے اجتناب کی برکت سے ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرما دیتا ہے، اور اگر کوئی موحد بندہ اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کر پایا ہو تو اس کا معاملہ اپنی مشیت کے تحت فرما لیتا ہے۔ ﴿ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرما دے'' (النساء:۴۸)

شرح

(یہاں چند امور غور طلب ہیں)

(۱) اللہ رب العزت اپنے بندوں کی نیکیوں کا اجر و ثواب خوب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور یہ اس کا عینِ فضل ہے۔ جبکہ گناہ کی جزاء، اس کے برابر (یعنی ایک ہی) عطا فرماتا ہے، اور یہ اس کا عینِ عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۶۰)

ترجمہ: ''جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے اور جو شخص بُرا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ. وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''جو شخص نیک عمل لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہونگے۔ اور جو بُرائی لیکر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کرتے رہے'' (النمل:۸۹،۹۰)

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (القصص:۸۴)

ترجمہ: ''جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو کوئی بُرائی لیکر آئے گا تو ایسے بد اعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے''

نیز فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے'' (البقرۃ:۲۶۱)

نیز فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ أَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾

ترجمہ: ''ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر

عطا فرمائے" (البقرۃ:۲۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[كل عمل ابن آدم يضاعف ؛ الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف، قال الله عزوجل : الا الصوم فإنه لي وأنا اجزي به ..... الحديث]

ترجمہ:[ابن آدم کے ہر عمل کے اجر وثواب کو خوب بڑھا دیا جاتا ہے، چنانچہ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ کے علاوہ، کہ وہ تو میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دونگا۔ (اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح (۱۱۵۱) میں بروایت ابوھریرۃ ؓ نقل فرمایا ہے)

صحیح بخاری (۶۴۹۱) اور صحیح مسلم (۱۳۱) میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما ،عن النبي ﷺ فيمايرويه عن ربه عزوجل قال: [ان الله كتب الحسنات والسيئات ، ثم بين ذلك ، فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فان هو هم بها فعملها كتبها الله له عنده عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى أضعاف كثيرة، ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فإن هو هم بها فعملها كتبها الله له سيئة واحدة]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جو نبی ﷺ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں: فرمایا: [بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور گناہوں کو لکھنے کا ایک نظام بیان فرمایا ہے، جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن وہ نیکی نہ کر سکا، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس ایک مکمل نیکی کا ثواب لکھ لیتا ہے، اور اگر وہ کسی نیکی کا ارادہ کر لے پھر وہ نیک عمل انجام دے دے، تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ کئی

گنا تک بڑھا کر لکھ لیتا ہے، اور جو بندہ کسی بُرائی کا ارادہ کرلے، لیکن وہ بُرائی نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنے پاس ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے، اور اگر برائی کا ارادہ کر کے اسے اپنا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی بُرائی لکھتا ہے]

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے، کہ جو بندہ باقاعدگی سے نیک اعمال اختیار کیئے رہتا ہے، پھر کسی مرض یا سفر کی وجہ سے وہ عمل چھوٹ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض اور سفر کی حالت میں (عمل چھوٹ جانے کے باوجود) اسے اتنا ہی اجر وثواب عطا فرمادیتا ہے جتنا بحالتِ صحت واقامت، اس عمل کی انجام دہی پر عطا فرمایا کرتا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری (۲۹۹۶) میں ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اذا مرض العبد او سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا]

یعنی: [جب بندہ بیمار پڑ جائے یا کسی سفر پر روانہ ہوجائے تو اس کیلئے (معمول کے عمل میں ناغہ کے باوجود) وہ مکمل ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو مقیم یا صحت مند ہونے کی حالت میں ملا کرتا تھا]

(۲) صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق:

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کے ارتکاب پر شرعی حد کی تعزیر ہو، یا لعنت، یا غضب، یا جہنم، یا بربادیٔ عمل کی وعید ہو۔ جبکہ صغیرہ گناہ وہ ہیں جو اس تعزیر یا وعید سے خالی ہوں۔

کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الزمر:۵۳)

ترجمہ: ''(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہوجائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی بُرے کام پر اڑ نہیں جاتے'' (آل عمران:۱۳۵)

نیز فرمایا: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ﴾ (التحریم:۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں''

سچی اور خالص توبہ کی تین شرائط ہیں:

الف : جس گناہ سے توبہ مقصود ہو اسے عملی طور پر چھوڑ دے اور مکمل کنارہ کشی اختیار کرلے۔

ب : اس گناہ پر شرمندہ اور نادم ہو۔

ج : اس گناہ کو آئندہ کبھی نہ کرنے کا پختہ عزم کرلے۔

اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ایک چوتھی شرط عائد ہوجاتی ہے اور وہ یہ کہ ان حقوق کے تعلق سے اپنا دامن صاف کرالے، جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی کی مال کے تعلق سے حق تلفی کی ہے تو وہ مال اسے لوٹا دے، اور اگر غیبت یا بہتان طرازی کے ذریعہ کسی بھائی کو درپے آزار کیا ہے تو اس سے معافی طلب کرلے، وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتُوْبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ'' (النور:۳۱)

نیز فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّاقَدْ سَلَفَ ﴾ (الانفال:۳۸)

ترجمہ: ''آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے! کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ کفر جو سب سے بڑا گناہ ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ توبہ کر لینے اور اسے یکسر چھوڑ دینے سے معاف فرما دیتا ہے، تو بقیہ تمام گناہ تو کفر سے کہیں چھوٹے ہیں، اگر ان سے سچی توبہ کر لی جائے تو وہ کہیں زیادہ بخشش کے لائق ہیں۔

وہ کبیرہ گناہ جس پر دنیا میں اقامتِ حد کی تعزیر لاگو ہوتی ہے، اگر اس کے مرتکب شخص پر وہ حد قائم کر دی جائے تو وہ اس کا کفارہ بن جاتی ہے؛ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حدود اس نقص کو پورا کر دیتی ہیں جو گناہ کے ارتکاب سے واقع ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حدود کی اقامت میں مرتکبِ گناہ کے ساتھ ساتھ، دوسرے لوگوں کیلئے بھی زجر وتوبیخ اور تنبیہ کا پہلو ہوتا ہے۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ کے اردگرد صحابہ کرام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا:

[مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرو گے، نہ چوری کرو گے، نہ زنا کرو گے، نہ اپنے بچوں کو قتل کرو گے، نہ جانتے بوجھتے الزام تراشی اور بہتان طرازی کرو گے، اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کرو گے، جس نے ان تمام امور کے تعلق سے وفا کی اس کا اللہ تعالیٰ پر اجر ثابت ہو جائے گا اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ سزا اس کیلئے کفارہ بن جائے گی، اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا، تو وہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے تحت ہے، چاہے تو معاف فرما دے، اور چاہے سزا دے دے۔] چنانچہ ہم نے ان تمام امور پر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (ص:۱۸) اور مسلم نے اپنی صحیح (۱۷۰۹) میں روایت فرمایا ہے)

(۳) چھوٹے گناہ، اعمالِ صالحہ کی انجام دہی کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں، نیز یہ کہ اگر بندہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے تو بھی اس کے چھوٹے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴾ (النساء:۳۱)

ترجمہ: ''اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کردینگے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کرینگے''

امام مسلم نے اپنی صحیح (۲۲۸) میں عثمان بن عفان ﷺ سے روایت فرمایا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

[ما من امرئ مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة، وذلك الدهر كله]

ترجمہ: [جس مسلمان آدمی پر فرض نماز کا وقت آجائے، اور وہ اچھے طریقے سے وضو کرے اور نماز کے خشوع اور رکوع وسجود کی مکمل حفاظت کرے تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، بشرطیکہ اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو، اور یہ سلسلہ عمر بھر قائم رہتا ہے]

صحیح مسلم (۲۳۳) ہی میں ابوھریرۃ ﷺ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[الصلوات الخمس ، والجمعة الى الجمعة ، ورمضان الى رمضان ، مكفرات ما بينهن اذا اجتنبت الكبائر]

[پانچوں نمازیں، اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، بیچ کے گناہوں کا کفارہ ہیں، بشرطیکہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرلیا جائے]

صغیرہ گناہوں کا معاملہ بوجہِ اصرار انتہائی خوفناک اور ہیبتناک ہوجاتا ہے، جبکہ کبیرہ گناہ پر ندامت وپشیمانی اسے ماند کردیتی بلکہ مٹادیتی ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کا قول ہے:

" لاصغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار"

یعنی "چھوٹا گناہ اگر بار بار کیا جائے تو وہ چھوٹا نہیں رہتا، اور بڑے گناہ سے اگر توبہ کرلی جائے تو وہ مٹ جاتا ہے"

(۴) بندۂ مسلم اگر کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ کرنے سے قبل موت کا شکار ہوجائے تو (بوجہ حسنِ عقیدہ) اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے چاہے تو عذاب میں مبتلا کردے، اور چاہے معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَن يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء:۴۸)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں فرماتا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف فرمادے اور جس نے شرک کیا اس نے بڑا جھوٹ باندھا"

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں فرماتا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف فرمادے اور جس نے شرک کیا وہ پرلے درجہ کا گمراہ ہوگیا"

عبادۃ بن صامت ﷺ کی مذکورہ حدیث میں یہ بیان ہوچکا: [...جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس گناہ پر پردہ ڈال دیا، تو وہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے تحت ہے، چاہے تو معاف فرمادے، اور چاہے سزا دے دے۔]

نافرمان مسلمانوں کا انجام

۱۷. قوله: "ومن عاقبه الله بناره أخرجه منها بايمانه فأدخله به جنته ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ ويخرج منها بشفاعة النبي ﷺ من شفع له من اهل الكبائر من امته"

ترجمہ: "اور جس (مسلمان) کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کی سزا دے گا اسے جہنم سے بوجہ اس کے ایمان، نکال دے گا، پھر ایمان کی برکت سے جنت میں داخل کردے گا: "پس جس نے ایک ذرہ کے بقدر نیکی کی وہ اسے ضرور دیکھے گا" اللہ تعالیٰ جہنم سے نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کے بہت سے اہلِ کبائر کو، جس جس کی آپ ﷺ شفاعت کریں گے، نکال دے گا۔"

شرح

جس شخص نے کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو، پھر وہ سچی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا، لیکن جو شخص گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد، توبہ کیئے بغیر مرگیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف فرمادے اور چاہے مبتلائے عذاب کردے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے" (النساء:۴۸)

جہنم میں داخل ہونے والے لوگ دو قسم کے ہونگے:

(۱) ایک کفار، یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے باہر آنے کی کوئی سبیل نہیں ہوگی، جیسا کہ

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

۱) ﴿ إِنَّـهُ مَـنْ يُّشْـرِكْ بِـاللهِ فَـقَـدْ حَـرَّمَ اللهُ عَـلَيْـهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ (المائدۃ:۷۲)

ترجمہ: ''یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے'' (النساء:۴۸)

(۲) دوسری قسم نافرمان مسلمانوں کی ہے، یہ لوگ جب جہنم میں داخل ہونگے تو اپنے جرم کے بقدر عذاب جھیلیں گے۔ پھر اپنے ایمان اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے نکل آئیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں، اور اہلِ جہنم کو جہنم میں داخل فرمائے گا، پھر کہے گا: دیکھو، جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لو، چنانچہ بہت سے جہنمیوں کو جبکہ وہ کوئلہ ہو چکے ہونگے، جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ پھر وہ نہر الحیاۃ یا نہر الحیا میں ڈال دیئے جائیں گے، اس میں وہ اس طرح پروان چڑھیں گے جیسے دانہ نہر کے جاری پانی کے کنارے اُگتا اور نشو نما پاتا ہے، تم دیکھتے نہیں وہ کس طرح زرد رنگ، بل کھائے نکلتا ہے۔]

(اس حدیث کو بخاری (۲۲) اور مسلم (۳۰۴) نے بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

[لكل نبى دعوة مستجابة، فتعجل كل نبى دعوته، وإنى اختبأت دعوتى

شفاعة لأمتي يوم القيامة ، فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لايشرك بالله شيئا]

ترجمہ:[ہر نبی کو ایک دعاءِ مستجاب عطا فرمائی گئی ہے، ہر نبی نے اپنی وہ دعاءِ مستجاب دنیا ہی میں طلب کر لی، میں نے اپنی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کیلئے چھپا رکھی ہے، میری شفاعت میری امت کے اس فرد کو حاصل ہوگی جو اس طرح مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا] (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (۶۳۰۴) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۳۳۸) میں بروایت ابوھریرۃ ؓ نقل کیا ہے)

نافرمانوں کے جہنم سے خروج کیلئے شفاعت کی احادیث درجۂ تواتر تک پہنچتی ہیں۔

واضح ہو کہ شرعی نصوص میں بعض مسلمان نافرمانوں کیلئے ہمیشہ جہنم میں رہنا مذکور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء:۹۳)

ترجمہ: ''جو کوئی کسی مؤمن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''

اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے:

ترجمہ:[جس شخص نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور یوں ہی اونچائی سے گرتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر پی کر خودکشی کی، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے وہ گھونٹ بھرتا رہے گا اور جس نے لوہے کے تیز دھار آلہ سے خودکشی کی، اس کے ہاتھ میں وہی تیز دھار آلہ تھما دیا جائے گا اور وہ جہنم کی

آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس آلے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا]

۱(اس حدیث کو بخاری (۵۷۷۸) اور مسلم (۱۷۵) نے بروایت ابوھریرۃ ﷺ نقل فرمایا ہے)

واضح ہو کہ ان دونوں نصوص اور اس قسم کے دیگر نصوص میں (بعض نافرمانوں کیلئے) ذکر کردہ ہمیشگی، نسبی ہمیشگی کہلاتی ہے، جس سے مراد لمبا عرصہ جہنم میں رہنا ہے، اس سے مراد وہ خلود یا ہمیشگی نہیں ہے جو کفار کے حق میں مذکور ہے۔ یعنی کفار جہنم میں اتنا عرصہ رہیں گے، جس کی کوئی نہایت نہیں ہوگی۔ (نافرمان مسلمانوں کیلئے جہنم کی ہمیشگی اس لئے نہیں ہے کہ) شرک کے علاوہ ہر گناہ کی بخشش اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے'' (النساء:۴۸)

جنت اور جہنم

۱۸. قوله :" وأن الله سبحانه قد خلق الجنة فأعد ها دار خلود لاوليائه وأكرمهم فيها بالنظر إلى وجهه الكريم ، وهي التي أهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بماسبق في سابق علمه ، وخلق النار فأعد ها دار خلود لمن كفر به وألحد في آياته وكتبه ورسله وجعلهم محجوبين عن رؤيته ."

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمادیا ہے،اور اسے اپنے دوستوں کے رہنے کیلئے ہمیشہ کا گھر قرار دے دیا ہے،اس گھر میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے بابرکت چہرے کے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور خلیفہ آدم علیہ السلام کو اتار کر زمین پر بھیج دیا تھا،اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ بات موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی پیدا فرما چکا ہے،اور اسے کفر کرنے والوں اور اپنی آیتوں،کتابوں اور رسولوں میں الحاد پیدا کرنے والوں کا ہمیشہ کا ٹھکانہ قرار دے چکا ہے،ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔"

شرح

(جنت اور جہنم کے سلسلہ میں یہاں بہت سی باتیں بیان ہوئی ہیں:)

(۱) جنت اور جہنم دونوں پیدا کی جا چکی ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔جنت اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا گھر ہے جبکہ جہنم دشمنوں کا۔

چند آیات پیشِ خدمت ہیں جن میں یہ بات مذکور ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا گھر ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا

أَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

ترجمہ:''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے''

نیز فرمایا:﴿ وَسَارِعُوا إِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

ترجمہ:''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے''

نیز فرمایا:﴿ سَابِقُوا إِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا کَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ ءَامَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ (الحدید:۲۱)

ترجمہ:''(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کیلئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں''

نیز چند آیات تحریر کی جاتی ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ جہنم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا ٹھکانہ ہے

﴿ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴾ (الفتح:۶)

ترجمہ:''اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں، (دراصل) انہیں پر بُرائی کا

پھیرا ہے، اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی ان کیلئے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۱)

ترجمہ: ''اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے''

نیز فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُ هَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ ﴾ (البقرۃ:۲۴)

ترجمہ: ''اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے''

احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنت اور جہنم اس وقت موجود ہیں، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، سورج گرہن کی نماز والے قصہ میں یہ بات مذکور ہے:

[صحابہ کرام نے کہا: یارسول اللہ ﷺ نماز میں ہم نے آپ (ﷺ) کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر کوئی چیز اٹھائی ہے، پھر ہم نے آپ (ﷺ) کو پیچھے ہٹتے ہوئے بھی دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت دیکھی تھی، آگے بڑھ کر جنت کے پھلوں کا ایک خوشہ اٹھانا چاہا تھا، اگر میں وہ خوشہ اٹھا کر لے آتا تو جب تک دنیا قائم رہتی تم سب ملکر اسے کھاتے ہی رہتے۔ پھر مجھے جہنم دکھائی گئی، اس جیسا خوف ناک منظر میں نے آج تک نہیں دیکھا، اور میں نے دیکھا کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے.... الحدیث] (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۰۵۲) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۹۰۷) میں روایت فرمایا ہے)

جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے کو تسلیم نہ کرنے والوں پر رد

بعض اہلِ بدعت مثلاً معتزلہ، جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ جنت اور جہنم کو قیامت سے قبل پیدا نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ قیامت سے قبل ان کا پیدا کیا جانا عبث ہے، کیونکہ اس طرح یہ دونوں ایک طویل عرصہ اس طرح گزاریں گیں کہ جنت

سے انتفاع کرنے والا کوئی نہیں اور جہنم سے ضرر پانے والا کوئی نہیں؟

معتزلہ کا یہ قول باطل ہے، اور اس قول کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) بے شمار آیات واحادیث ان کے قیامت سے قبل پیدا کیئے جانے اور اس وقت بھی موجود ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ (معتزلہ کا قول ان تمام نصوص کا انکار ہے)

(۲) (جنت کا وجود عبث نہیں ہے) بلکہ اس کے اس وقت موجود ہونے میں لوگوں کیلئے ترغیب وتشویق کا پہلو موجود ہے، اسی طرح جہنم کے موجود ہونے میں تحذیر وتخویف کا پہلو ہے۔

(۳) کتاب وسنت کے بہت سے نصوص میں وارد ہے کہ قیامت سے قبل بھی جنت کی نعمتوں سے انتفاع کی صورتیں موجود ہیں، اسی طرح قیامت سے قبل جہنم کے عذاب سے حصولِ ضرر کے مواقع بھی۔

قیامت سے قبل جہنم کا عذاب لاحق ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا آلِ فرعون کے بارہ میں یہ فرمان ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (الغافر:۴۶)

ترجمہ: ''آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں ڈالو''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آلِ فرعون کو ان کی قبروں میں جہنم کی آگ سے عذاب دیا جا رہا ہے، پھر جب قیامت قائم ہوگی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب میں منتقل کر دیا جائے گا۔

جنت کی نعمتوں سے قبلِ قیامت حصولِ نفع کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کی شکل دینے کا ذکر ہے، ان کے ساتھ روشن قندیلیں ہونگی جو عرش کے ساتھ معلق ہونگی، وہ روحیں جنت میں جہاں چاہیں گی چرتی رہیں گی، پھر اپنی قندیلوں میں لوٹ آئیں گی۔

(صحیح مسلم (۱۸۸۷) بروایت عبداللہ بن مسعودؓ)

مسند احمد (۱۵۷۷۸) میں امام احمد بن حنبل، امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور وہ اپنے باپ کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ:[بے شک مؤمن کی روح، بشکلِ پرندہ جنت کے درخت کے ساتھ معلق ہوتی ہے، جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس روح کو اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا]

یہ حدیث صحیح ہے، اس کی سند میں تین جلیل القدر امام ہیں، جن کا شمار ان ائمہ اربعہ میں ہوتا ہے جن کے مذاہب اہل السنۃ میں معروف ہیں۔ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" مسند احمد میں ایک حدیث مروی ہے جس میں ہر مؤمن کیلئے ایک عظیم بشارت ہے، اور وہ یہ کہ ہر مؤمن کی روح جنت میں کھاتی پیتی، گھومتی پھرتی رہے گی، جنت کی رونقیں اور مسرتیں دیکھتی رہے گی، نیز اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کیلئے جو عزت و کرامت تیار فرما رکھی ہے، اس کا مشاہدہ کرتی رہے گی۔ یہ حدیث ایک صحیح اور عظیم الشان سند کے ساتھ ثابت ہے، اس کی سند میں ائمہ مذاہب اربعہ میں سے تین جلیل القدر ائمہ مجتمع ہیں۔ (پھر حافظ ابنِ کثیر نے مکمل حدیث سنداً ومتناً بیان فرمائی)

جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کے پہنچنے کی ایک دلیل، براء بن عازب ؓ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر کے پاس جو ایک صحابی کے دفن کیلئے تیار کی جا رہی تھی، بیٹھ کر نصیحت فرمائی تھی، اس حدیث میں آپ ﷺ نے مؤمن کے بارہ میں فرمایا تھا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اسے جنت کا بستر اور لباس مہیا کر دو، اور اس کی قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) اسے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں پہنچتی رہیں گی اور

اس کی قبر کو تاحدِ نگاہ کشادہ کر دیا جائے گا۔

کافر کے بارہ میں فرمایا: اس کے نیچے آگ کا بستر بچھا دو، اور اس کی قبر میں ایک دروازہ بنا دو جو جہنم کی طرف کھلے تا کہ جہنم کی تپش اور گرم ہوائیں اس تک پہنچتی رہیں، اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی۔

(یہ حدیث حسن ہے، دیکھیئے مسند احمد (۱۸۵۳۴)

عذابِ قبر اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے حوالے سے بے شمار احادیث مروی ہیں۔

ان تمام ادلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مؤمنین کو انکی قبروں میں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے جبکہ کفار مبتلائے عذاب کیئے جاتے ہیں۔ یہ نعمتیں اور یہ عذاب، روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

(۲) جنت اور جہنم دونوں ہمیشہ قائم رہیں گی، ان پر کبھی فناء نہیں آئے گا، اہلِ جنت، جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نعمتوں سے نوازے جاتے رہیں گے، جبکہ کفار جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مبتلائے عذاب رہیں گے۔

جنت کا بقاء اور اہلِ جنت کا اس میں ہمیشہ رہنا قرآنِ حکیم کے مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ (البقرۃ:۲۵)

ترجمہ: ''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ان کیلئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً . خَالِدِیْنَ فِیْھَا لَایَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ﴾ (الکھف:۱۰۷،۱۰۸)

ترجمہ ''جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناان کیلئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی انکاارادہ ہی نہ ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَعُیُوْنٍ. اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ ءَ امِنِیْنَ . وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِھِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ . لَایَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّمَا ھُمْ مِنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴾ (الحجر:۴۵تا۴۸)

ترجمہ: ''پرہیزگار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔(ان سے کہا جائے گا) سلامتی اورامن کے ساتھ اس میں داخل ہوجاؤ۔ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش وکینہ تھا،ہم سب کچھ نکال دیں گے،وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھوسکتی ہےاور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ . جَزَآئُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ﴾ (البینۃ:۷،۸)

ترجمہ: ''بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ ہے اس کیلئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے''

جن آیات میں جہنم کا بقاءاور کفار کا اس میں ہمیشہ رہنا مذکور ہے،ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۳۹)

ترجمہ: ''اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴾ (البقرۃ:۱۶۷)

ترجمہ: ''یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے''

نیز فرمایا: ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ (المائدۃ:۳۷)

ترجمہ: ''یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، ان کیلئے تو دائمی عذاب ہے''

نیز فرمایا: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴾ (المدثر:۴۸)

ترجمہ: ''پس انہیں سفارش نفع نہ دے گی''

نیز فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴾ (الفاطر:۳۶)

ترجمہ: ''اور جو لوگ کافر ہیں ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضاء ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا. اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾ (النساء:۱۶۸،۱۶۹)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ ہی انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے''

نیزفرمایا:﴿ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَإِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ﴾

ترجمہ:''(اب) جوبھی اللہ اوراسکے رسول کی نہ مانے گا اس کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے''(الجن:۲۳)

نیزفرمایا:﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا . خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا لَّا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ (الاحزاب:۶۴،۶۵)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے کافروں پرلعنت کی ہےاوران کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔وہ کوئی حامی ومددگار نہ پائیں گے''

نیزفرمایا:﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴾ (البینۃ:۶)

ترجمہ:''بیشک جولوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اورمشرکین وہ دوزخ کی آگ میں (جائیں گے)جہاں وہ ہمیشہ(ہمیشہ)رہیں گے۔یہ لوگ بدترین خلائق ہیں''

واضح ہو کہ جنت اورجہنم کا ہمیشہ کیلئے باقی رہنا،نیز اہلِ جنت اوراہلِ جہنم کا خلود،اللہ تعالیٰ کی صفت''الآخر''جس کا معنی ہے:جس کے بعد کوئی چیز نہ ہو،کے منافی نہیں ہے؛کیونکہ اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا،اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے،جواس کی ذات کے ساتھ لازم ہے،جبکہ جنت اورجہنم اوراُن میں ان کے اہل کا بقاءاس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ باقی رکھے گا،اوراگر اللہ تعالیٰ باقی نہ رکھے توان سب کیلئے بھی فناء ہے،اس موضوع کی طرف کچھ اشارہ مؤلف رحمہ اللہ کے اس قول کے تحت گزرچکا ہے'' ليس لأوليته ابتداء ولا لآخريته انقضاء''

آدم علیہ السلام کس جنت سے نکالے گئے تھے؟

(۳) مؤلف رحمہ اللہ کے قول''وهي التي اهبط منها آدم نبيه وخليفته إلى أرضه بما سبق في سابق علمه''یعنی:یہ جنت وہی گھر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اورخلیفہ

آدم علیہ السلام کو اتار کر اپنی زمین پر بھیج دیا تھا۔ اس قول سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اسی اصل جنت سے نکالا گیا۔

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت سے نکالا گیا وہ دراصل زمین سے اوپر کسی مقام پر ایک باغ تھا، جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ اس بارہ میں توقف اختیار کیا جائے۔

اس بارہ میں پہلا قول ہی راجح اور مطابق ادلہ معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور قولِ اول وثانی کے دلائل ذکر کیئے ہیں، نیز ہر دلیل کا جواب بھی نقل فرمایا ہے، اور کسی قول کو ترجیح نہیں دی، (دیکھیئے کتاب حادی الارواح ص ۱۶ تا ۳۲)

البتہ ان کے "قصیدۂ میمیة" میں ان کے ذکر کردہ کلام سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ وہ پہلے قول کی ترجیح کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فحی علی جنات عدن فإنها منازلک الأولی وفیها المخیم
ولکننا سبی العدو فهل تری نعود إلی أوطاننا ونسلم

ترجمہ: "جناتِ عدن کی طرف آجا کہ وہ تیرا پہلا گھر تھا (مراد آدم علیہ السلام کا) اور اسی میں مخیم ہیں، مگر ہم تو دشمن کے قیدی ہیں تو پھر کیا ہم اپنے اصل وطن کی طرف لوٹ سکیں گے؟ اور سلامتی کی زندگی پا سکیں گے؟

(۴) قیامت کے دن مؤمنین کا اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا، دار النعیم یعنی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس پر قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کے دلائل موجود ہیں۔

قرآنی دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ . إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القیامۃ: ۲۲، ۲۳)

"اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ (المطففون:۱۵)

ترجمہ: ''ہرگز نہیں، یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ان لوگوں کو بوجہ، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے محروم کر دیا جائے گا تو پھر مؤمنین بوجہ، اللہ تعالیٰ کی رضاء، اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار پر، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس:۲۶)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی''

یہاں ''اَلْحُسْنٰى'' سے مراد جنت ہے۔ ''وَزِيَادَةٌ'' سے مراد، اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا دیدار ہے۔

یہ تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی، چنانچہ صحیح مسلم (۲۹۷) میں صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں مزید کچھ چاہیے؟ اہل جنت کہیں گے: اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں فرما دیئے؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے بچا کر، جنت میں داخل نہیں فرما دیا؟ تب اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا دے گا (وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار کریں گے) انہیں اللہ تعالیٰ کے چہرے کے دیدار سے بڑھ کر پیاری کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾

ایک اشکال اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی ثابت کرتے ہیں، جو کہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ آیت رؤیت کی نہیں بلکہ ادراک کی نفی کر رہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت تو ثابت ہے لیکن از روئے رؤیت ادراک یعنی احاطہ ممکن نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم تو حاصل ہوتا ہے

لیکن از روئے علم، احاطہ ممکن نہیں۔

چنانچہ ادراک کی نفی امرِ خاص ہے جو رؤیت کی نفی کو، جو کہ امرِ عام ہے، مستلزم نہیں ہے۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور والے قصہ میں رؤیتِ باری تعالیٰ کی نفی مفہوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: ''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمائی، تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے''

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک امرِ ممکن کا سوال کیا تھا، کسی ایسے امر کا سوال نہیں کیا تھا جو ناممکن و مستحیل ہو، مگر اللہ رب العزت کی مشیت یہ ہے کہ اس کی رؤیت صرف دارِ آخرت میں حاصل ہو؛ کیونکہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت سب سے اکمل و اعظم نعمت ہوگی، اس لئے ''لن ترانی'' کا معنی یہ ہوگا کہ تم مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے کتاب ''حادی الارواح'' (ص ۱۷۹ تا ۱۸۶) میں اللہ تعالیٰ کی روزِ آخرت، رؤیت کے اثبات میں قرآنِ حکیم کے دلائل ذکر فرمائے ہیں، پھر ستائیس صحابۂ کرام سے، اثباتِ رؤیت میں مروی احادیث نقل فرمائی ہیں، اسکے بعد صحابۂ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والے بہت سے علماءِ اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال و آثار جمع فرمائے ہیں، جو اس بات پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت پر صحابۂ کرام اور ان کے منہج کے پیروکاروں کا اجماع قائم ہے۔

میدانِ محشر کے حالات

۱۹. قوله: "وأن الله تبارک وتعالى يجيء يوم القيامة والملک صفا صفاً، لعرض الأمم وحسابها وعقوبتها وثوابها، وتوضع الموازين لوزن أعمال العباد، فمن ثقلت موازينه فأولئک هم المفلحون، ويؤتون صحائفهم بأعمالهم، فمن أوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا، ومن أوتي كتابه وراء ظهره فأولئک يصلون سعيرا"

ترجمہ: "اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن آئے گا، اور فرشتے بھی قطاروں میں (آئیں گے) تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کریں، اور اللہ تعالیٰ ان سے سارا حساب لے، اور انہیں عذاب میں جھونکنے یا ثواب عطا فرمانے کے فیصلے فرمائے۔ بندوں کے اعمال کے وزن کیلئے ترازو بھی قائم کردیئے جائیں گے، پس جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا، وہ کامیاب قرار پائیں گے۔ اسی طرح لوگوں کو ان کے اعمال کے صحیفے بھی دیئے جائیں گے، پس جنہیں دائیں ہاتھ میں ان کا صحیفہ تھما دیا گیا، ان کا حساب بہت آسان کردیا جائے گا، اور جنہیں ان کا صحیفہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا، وہ لوگ جلتی آگ کا لقمہ بن جائیں گے"

شرح

یہاں بہت سے امور بیان ہوئے ہیں:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فصلِ قضاء کیلئے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ آنا اس کی صفاتِ فعلیہ میں سے ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو ارادہ فرمالیتا ہے وہی فیصلہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس آنے میں وہی عقیدہ ہونا چاہیئے جو بقیہ تمام صفات میں ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن

آنا، بالکل ویسا ہے جیسا اس کے لائق ہے، ہم اس کے آنے کی نہ تو تکییف (بیانِ کیفیت) کرتے ہیں، نہ تمثیل (کسی مخلوق کے مثل قرار دینا) نہ ہی کسی قسم کی تاویل کرتے ہیں، نہ تعطیل (یعنی اس صفت کی نفی یا انکار)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر:۲۲)

ترجمہ: ''تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے)''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان، فصلِ قضاء کیلئے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا یہ آنا اس وقت ہوگا جب لوگ سید البشر محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفاعت کا مطالبہ کریں گے، اس سے قبل وہ یکے بعد دیگرے تمام اولوالعزم انبیاء (ابراھیم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام) سے شفاعت کا سوال کر چکے ہونگے اور ہر نبی یہ جواب دے چکا ہوگا کہ یہ کام ہم نہیں کر سکتے، بالآخر وہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے، آپ ﷺ فرمائیں گے: شفاعت کا منصب میرے لئے ہے، شفاعت کا منصب میرے لئے ہے، پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے فصلِ قضاء کیلئے آنے کی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمالے گا، یہ قیامت کے دن ہونے والی سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہی مقامِ محمود ہے، جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں گزر چکا، پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا، بندوں کے فیصلے کرنے کیلئے آئے گا، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے صفوں اور قطاروں میں آئیں گے۔

اولوالعزم رسل، جن سے ہمارے نبی محمد ﷺ سے قبل شفاعت طلب کی جائے گی، کے نام نوح، ابراھیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں، یہ چاروں انبیاء سورۂ الاحزاب اور سورۂ الشوریٰ کی آیات میں مذکور ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ

وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴾ (الاحزاب:۷)

ترجمہ:''جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابرھیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے (پکا اور) پختہ عہد لیا''

نیز فرمایا: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَاوَصَّيْنَا بِهٖ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ ﴾

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا'' (الشوریٰ:۱۳)

(۲) بندوں کو اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ان سے حساب لے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَاخَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾

ترجمہ:''اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ حاضر کیے جائیں گے۔ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا'' (الکھف:۴۸)

نیز فرمایا: ﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا أُولٰئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْأَشْهَادُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ ﴾

ترجمہ:''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا، خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر'' (ھود:۱۸)

نیز فرمایا: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَايُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴾ (الکھف:۴۹)

ترجمہ: ''اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس (کی تحریر) سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا (گناہ) بغیر گھیرے باقی نہیں چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا''

نیز فرمایا: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ . فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا . وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا . وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ . فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا . وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴾ (الانشقاق:۷تا۱۲)

ترجمہ: ''تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔ اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا''

نیز فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ . فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ . إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ . فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ . فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ . قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ . كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ . وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ . وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ . يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ . مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ . هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ . خُذُوهُ فَغُلُّوهُ . ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ . ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴾ (الحاقۃ:۱۸تا۳۲)

ترجمہ: ''اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔ سو جسے

اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔ پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا۔ بلند و بالا جنت میں۔ جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔ لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، تو وہ کہے گا کہ کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔ کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیریں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔''

نیز فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ . فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ (الزلزال:٦تا٨)

ترجمہ: ''اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من حوسب عذب ، قالت عائشة: فقلت :أوليس يقول الله ﴿ فسوف يحاسب حسابا يسيرا ﴾ قالت :فقال: انما ذلك العرض، ولكن من نوقش الحساب يهلك]

ترجمہ: ''[جس شخص سے حساب لیا جائے گا اسے یقیناً عذاب دیا جائے گا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''کہ عنقریب آسان حساب لیا جائے گا''؟ فرمایا: آسان حساب سے مراد اعمال کا بندوں پر پیش کیا جانا ہے مگر جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا (مناقشہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا پوچھنا کہ فلاں گناہ کیوں کیا تھا؟]

(صحیح بخاری (۱۰۳) اور صحیح مسلم (۲۸۷۶)

(۳) پہلے بندوں کے اعمال شمار کیئے جائیں گے، پھر انہیں تولا جائے گا، جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری پڑ گیا وہ نجات پا گیا، اور جس کا ہلکا رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ﴾ (الانبیاء:۴۷)

ترجمہ: ''قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''

نیز فرمایا: ﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے'' (الاعراف:۸،۹)

نیز فرمایا: ﴿ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ. فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ﴾ (المؤمنون:۱۰۱تا۱۰۳)

ترجمہ: ''پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ۔ جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات پانے والے ہو گئے۔ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کیلئے جہنم واصل ہوئے''

نیز فرمایا: ﴿ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ. فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ. وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ. فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ. وَمَآ أَدْرٰكَ مَاهِيَهْ. نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ (القارعۃ:۶تا۱۱)

ترجمہ: ''پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔ وہ تند و تیز آگ ہے''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الطهور شطر الايمان والحمد لله تملأ الميزان وسبحان الله والحمد لله تملآن او تملأ ما بين السموات والارض]

ترجمہ: [صفائی اور پاکیزگی نصفِ ایمان ہے، اور الحمد لله میزان کو بھر دیتا ہے، اور سبحان الله والحمد لله دونوں یعنی آسمانوں اور زمین کو یا ان دونوں کے مابین کو بھر دیتے ہیں] (صحیح مسلم (۲۲۳)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

[كلمتان حبيبتان الى الرحمن ،خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان سبحا ن الله وبحمده سبحان الله العظيم]

ترجمہ: [دو کلمے جو رحمٰن کو بڑے محبوب ہیں، زبان پر ہلکے، اور میزان پر بھاری ہیں، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم] (صحیح بخاری (۷۵۶۳) اور صحیح مسلم (۲۶۹۴)

(یہ دونوں حدیثیں اثباتِ میزان کی دلیل ہیں)

اعمال اگرچہ اعراض ہیں (یعنی ایسی چیز جس کا جسم نہیں ہوتا) مگر اللہ تعالیٰ انہیں جسم دیکر اپنے میزان میں تول لے گا۔ بندوں کے اعمال کے وزن کی حکمت اولاً: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا اظہار ہو جائے، ثانیاً: بندوں کو ان کے اعمال کی خبر ہو جائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئ کو جاننے والا ہے۔

اور وزن، جس طرح اعمال کا ہوگا، اعمال کے صحائف کا بھی ہوگا، جیسا کہ حدیثِ بطاقہ سے واضح ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:[اللہ تعالیٰ میری اُمت کے ایک شخص کو قیامت کے دن، تمام خلائق کے سامنے بلائے گا، اس پر (اس کے گناہوں کے) ننانوے رجسٹر پھیلا دے گا، ہر رجسٹر کا طول وعرض تاحدِ نگاہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کرتا ہے؟ کیا تجھ پر میرے کاتب فرشتوں نے کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں میرے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تیرے پاس ان گناہوں کیلئے کوئی عذر ہے؟ کہے گا: نہیں میرے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی محفوظ ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، ایک پرچی نکالی جائے گی، جس میں (أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبدالله ورسوله) لکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے بندے! اپنا وزن خود دیکھ لے، کہے گا: اے میرے پروردگار! اس پرچی کا ان رجسٹروں سے کیا مقابلہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھ پر آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ وہ رجسٹر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے، دوسرے میں وہ پرچی۔ رجسٹروں والا پلڑا ہلکا پڑ کے اوپر کو اڑنے لگے گا اور پرچی بہت بھاری پڑ جائے گی، اللہ تعالیٰ کے نام کے سامنے کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی] (اس حدیث کو امام ترمذی (۲۶۳۹) نے روایت کیا ہے، اور اسے حسن کہا ہے، نیز حاکم (۱/۶ نے بھی، اور اسے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور امام ذھبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانی کا "السلسلة الاحاديث الصحيحة" (۱۳۵) ملاحظہ کیجئے)

پل صراط

۲۰. قوله:"وأن الصراط حق، يجوزه العباد بقدر أعمالهم ، فناجون متفاوتون فی سرعة النجاة عليه من نار جهنم ، وقوم أوبقتهم فيها أعمالهم"

ترجمہ:"(قیامت کے دن) پلِ صراط برحق ہے، جسے بندے اپنے اپنے اعمال کے بقدر عبور کریں گے، کچھ تو نجات پا جائیں گے جو جہنم سے نجات میں تیزی کے اعتبار سے متفاوت ہونگے۔ اور بہت سے لوگوں کو ان کے اعمال ہلاکت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیں گے"

شرح

پلِ صراط حق ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے، یہ ایک پل ہے جو جہنم کی کمر پر نصب ہے، اس پر سے مسلمان، جنت میں پہنچنے کیلئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے، چنانچہ کچھ تو بجلی کی طرح عبور کر جائیں گے، اور کچھ تیز رفتار ہوا کی طرح، اور کچھ ایسے بھی ہونگے جو سُرین پر گھسٹتے ہوئے بالآخر پار کر ہی جائیں گے۔

صحیح بخاری (۸۰۶) اور صحیح مسلم (۲۹۹) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[....جہنم کے اوپر درمیان میں ایک پل نصب کیا جائے گا، تمام انبیاء میں سے سب سے پہلے میں اپنی امت کو لیکر اس پل کو عبور کرونگا، اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی انسان، کوئی کلام نہیں کر سکے گا، رسولوں کا کلام بھی "اللھم سلم ،اللھم سلم "ہوگا، یعنی: اے اللہ سلامتی عطا فرما۔ اور جہنم میں سعدان (ایک خاردار درخت) کے کانٹوں کی طرح لوہے کے نوکیلے کنڈے ہونگے۔ کیا تم نے سعدان کا درخت دیکھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ کنڈے سعدان کے

کانٹوں کی طرح ہی ہونگے، البتہ وہ کتنے بڑے ہونگے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، یہ کنڈے لوگوں کو ان کے اعمال کے بہ سبب اچکتے رہیں گے، کچھ تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کردیئے جائیں گے، اور کچھ کو (ایک مدت کیلئے) جہنم میں جھونک دیا جائے گا، پھر وہ نجات پاجائیں گے۔

صحیح مسلم (۳۲۹) میں ابوھریرۃ اور حذیفہ رضی اللہ عنھما کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[امانت اور رحم (رشتہ داری) کو چھوڑا جائے گا یہ دونوں پلِ صراط کے دونوں کناروں میں دائیں اور بائیں کھڑے ہوجائیں گے۔ تم میں سے پہلی جماعت بجلی کی طرح پلِ صراط کو عبور کرجائے گی، میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، بجلی کی طرح عبور کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: تم نے کبھی بجلی نہیں دیکھی؟ وہ کس طرح گزرتی ہے، اور پھر پلک جھپکنے میں لوٹ آتی ہے۔ پھر کچھ لوگ ہوا کی طرح عبور کریں گے، کچھ پرندے کی اور کچھ گھوڑوں کی رفتار سے عبور کریں گے، درحقیقت ان کے اعمال، انہیں دوڑا رہے ہونگے۔ تمہارے نبی (ﷺ) پلِ صراط پر کھڑے ہونگے، اور ''رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' کہہ رہے ہونگے، حتیٰ کہ ایسے لوگ آجائیں گے جن کے اعمال عاجز ہونگے، اور ایسا شخص بھی آئے گا جو اپنی سُرین پر گھسٹتا ہوا چل سکے گا۔]

مزید فرمایا: [پلِ صراط کے دونوں جانب لوہے کے نوک دار کنڈے لٹک رہے ہونگے، جنہیں گزرنے والوں کے پکڑنے کا حکم ہوگا، کچھ زخموں سے چور ہوکر نجات پانے والے ہونگے، اور کچھ کٹ کر جہنم میں گر جانے والے ہونگے۔]

صحیح مسلم (۳۰۲) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: [پھر جہنم پر ایک پل قائم کردیا جائے گا اور شفاعت کرنا حلال ہوجائے گا، اور انبیاء ''اللھم سلم سلم'' پکار رہے ہونگے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ یہ پل کیا ہے؟ فرمایا: ایک ایسا راستہ جس پر پھسلن ہی پھسلن ہوگی، اس میں نوچنے والے پرندوں کے پنجوں اور نجد کی سرزمین پر پائے

جانے والے کانٹے دار درخت سعدان کے کانٹوں کی مانند لوہے کے نوک دار کنڈے ہونگے۔مؤمن پلک جھپکنے کی طرح گزر جائیں گے، کچھ بجلی کی طرح، کچھ ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ برق رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح عبور کر جائیں گے۔ کچھ تو صحیح سالم عبور کر کے نجات پا جائیں گے، کچھ زخموں سے چور چور بالآخر چھوڑ دیئے جائیں گے، اور کچھ کٹ کر جہنم کی آگ میں گر جائیں گے۔

حوضِ کوثر

۲۱. قولہ: "والایمان بحوضِ رسول اللہ ﷺ، ترده امته، لایظمأ من شرب منه، ویزاد عنه من بدل و غیر"

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان لانا (فرض ہے) آپ ﷺ کے حوض پر آپ ﷺ کی امت وارد ہوگی، جس نے اس حوض سے پانی پی لیا اسے (جنت میں داخلے تک) پیاس نہیں لگے گی، حوضِ کوثر سے اس بدعتی کو دور کر دیا جائے گا جس نے دین میں تبدیل وتغییر کا ارتکاب کیا"

شرح

ہمارے نبی محمد ﷺ کے حوض کا بیان

ہمارے نبی ﷺ کے حوض کے بارہ میں مروی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچتی ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب الرقاق میں حوض کا باب ذکر فرمایا ہے، اس باب میں (۱۹) اسناد سے یعنی (۶۵۷۵) سے (۶۵۹۳) تک احادیثِ حوض نقل فرمائی ہیں۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ احادیثِ حوض پچاس سے زائد صحابۂ کرام سے مروی ہیں، انہوں نے ان میں سے پچیس صحابہ کا نام قاضی عیاض، جبکہ تین کا امام نووی کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، اور تقریباً اتنی ہی تعداد کا اپنی تحقیق وتتبع سے اضافہ فرمایا ہے، جس سے ان صحابہ کی تعداد پچاس سے متجاوز ہوگئی۔ (دیکھیے فتح الباری ۱۱/ ۴۶۸تا۴۶۹)

امام ابنِ کثیر نے اپنی کتاب ''النهاية'' میں تیس سے زائد صحابہ سے احادیثِ حوض نقل فرمائی ہیں، ان میں سے اکثر احادیث ان أئمہ کی اسناد سے ذکر فرمائی ہیں، جنہوں نے اپنی کتب میں ان احادیث کی تخریج وروایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حوض کے بارہ میں جو صفات وارد ہوئی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: [حوضي مسيرة شهر ، ماء ه ابيض من اللبن ، وريحه أطيب من المسک ، و كيزانه كنجوم السماء، من شرب منها فلايظمأ أبدا]

ترجمہ:[میرے حوض کی لمبائی ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہوگی، اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کے برابر ہونگے، جسے ایک بار اس کا پانی نصیب ہوگیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔] (صحیح بخاری (۶۵۷۹) بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

امام مسلم نے اپنی صحیح (۲۲۹۲) میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

[میرے حوض کی طوالت ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہے، اور اس کے تمام کونے برابر ہیں، اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید اور خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہے، اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں جس نے ایک بار وہ پانی پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔]

صحیح مسلم (۲۳۰۰) میں ابوذر غفاری ﷺ سے مروی ایک حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

[يشخب فيه ميزابان من الجنة ، من شرب منه لم يظمأ ، عرضه مثل طوله ، مابين عمان إلى أيلة ، ماء ه أشد بياضا من اللبن وأحلىٰ من العسل]

ترجمہ:[حوضِ کوثر میں جنت کی طرف سے دو پرنالے گر رہے ہونگے، جس نے حوضِ کوثر کا پانی پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس کا عرض اس کے طول کے برابر ہے، عمان سے لیکر ایلۃ تک اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے]

حوضِ کوثر پر اہلِ بدعت کا ہیبت ناک انجام

کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر پر وارد ہونے سے روک دیا جائے گا، صحیح بخاری (۶۵۷۶) میں عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أنا فرطكم على الحوض ، وليرفعن رجال منكم ، ثم ليختلجن دوني فأقول: يا رب أصحابي فيقال: انك لا تدري ما أحدثوا بعدك]

ترجمہ:''[میں حوضِ کوثر پہ تمہارا انتظار واستقبال کرونگا، تم میں سے کچھ لوگ ظاہر کیئے جائیں گے پھر میرے سامنے کھینچ کر نکال دیئے جائیں گے، میں کہوں گا: میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی ہیں، کہا جائے گا: آپ (ﷺ) نہیں جانتے انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا نئے طریقے اپنا لئے تھے]

ان ساتھیوں سے مراد وہ چند لوگ ہیں، جنہوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ارتداد اختیار کر لیا تھا، اور پھر ان اسلامی کامیاب لشکروں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے تھے، جنہیں ابوبکر صدیق ﷺ نے مرتدین سے قتال کیلئے بھیجا تھا (نوٹ: وہ شرعی نصوص جو کسی مخصوص تناظر میں وارد ہوتے ہیں ان کے حکم میں عموم ملحوظ ہوتا ہے، لہذا قیامت کے دن حوضِ کوثر پہ ہر مبتدع کی اسی طرح بے توقیری اور تذلیل ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں مبتدعین کو دیکھ کر یہ کہوں گا:[سحقا سحقا لمن غير بعدي] یعنی: جن لوگوں نے میرے بعد دین کو تبدیل کر دیا انہیں میری نظروں سے دور کر دیا جائے۔ مترجم)

روافض کی ہذیان گوئی

روافض، جن کے سینے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حقد وبغض سے لبریز ہیں، کا یہ زعمِ باطل ہے کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، بہت تھوڑی تعداد دین پر باقی رہی، ان کے بقول احادیث میں جن لوگوں کو حوضِ کوثر سے دور کرنے کا ذکر وارد ہے، وہ (نعوذ باللہ) یہی اصحابِ رسول ﷺ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حوضِ کوثر سے دور ہٹانے کے اصل مستحق خود روافض ہیں؛ کیونکہ وہ وضوء میں اپنے پاؤں نہیں دھوتے، بلکہ مسح کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ویل للأعقاب من النار] یعنی: وضوء میں جن کے پاؤں کی ایڑیاں تھوڑی سی خشک رہ جائیں ان کیلئے جہنم کی ویل ہے۔ (صحیح بخاری (۱۶۵) صحیح مسلم (۲۴۲) بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

اس کے علاوہ روافض کے چہرے اس چمک دمک سے محروم ہیں جو وضوء سے پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ان أمتی یدعون یوم القیامة غرا محجلین من آثار الوضوء] یعنی: بے شک میری امت قیامت کے دن بلائی جائے گی، ان کی پیشانیاں اور دیگر اعضاءِ وضوء، وضوء کی برکت سے چمک رہے ہونگے] (صحیح بخاری (۱۳۶) بروایت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

اس دور کے ایک گمراہ شخص کے صحابہ کرام کے متعلق باطل نظریہ کا رد

واضح ہو کہ اس دور میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا زعم ہے کہ وہ اہل السنۃ میں سے ہے، جبکہ اہل السنۃ سے اس کا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ان روافض کے منہج پر قائم ہے جو اپنے سینوں میں صحابہ کے خلاف بغض وعناد رکھتے ہیں، اس شخص کا نام حسن بن فرحان المالکی ہے، یہ سعودی عرب کے انتہائی جنوبی علاقہ بنو مالک کی طرف منسوب ہے۔

اس شخص نے ایک انتہائی خفیف اور گھٹیا سا رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کا عنوان ''الصحابة بین الصُّحْبَةِ اللغوية و الصُّحْبَةِ الشرعية'' ہے (یعنی صحابہ میں لغوی اور شرعی صحبت کا فرق)

اس رسالہ میں اس کا زعم ہے کہ صحابہ صرف وہ مہاجرین وانصار ہیں جو صلح حدیبیہ سے قبل موجود

تھے جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا یا ہجرت کی ان کیلئے شرعی صحابیت کا کوئی حصہ نہیں بلکہ ان کی صحبت تو منافقین و کفار کی صحبت جیسی ہے۔

اس شخص نے اپنے اس قول سے بہت سے اصحابِ رسول ﷺ کو نبی ﷺ کی صحابیت سے خارج کر دیا، جن میں عباس بن عبدالمطلب نبی ﷺ کے چچا، اور ان کے بیٹے حبرِ امت، ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم بھی ہیں۔ اسی طرح ابوموسیٰ اشعری، ابوھریرۃ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنھم وغیرہ جیسے بے شمار صحابہ کو شرفِ صحابیت سے فارغ کر دیا۔

یہ پندرھویں صدی میں ایک بدعت اور محدث قول ہے، اس مالکی سے قبل یہ بات کسی نے نہیں کہی، سوائے اسی جیسے ایک نوعمر نوجوان کے، جس کا نام عبدالرحمٰن بن محمد الحکمی ہے۔

اس کی اس گھٹیا کتاب میں صحابۂ کرام کی عدالت کا بھی انکار ہے، اس کے خیالِ فاسد کے مطابق اکثر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی ﷺ کے حوض سے دھتکار دیا جائے گا اور نعوذ باللہ واصلِ جہنم کر دیا جائے گا۔

اس کا کہنا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے بہت تھوڑی تعداد نجات پا سکے گی، (اس نے اس تھوڑی تعداد کے بیان کیلئے ''مثل ھمل النعم'' کی تعبیر استعمال کی ہے، یہ تعبیر ایک حدیث میں وارد ہوئی ہے، جس کا بیان آگے آئے گا، اس تعبیر سے کسی شئ کی تعداد کی قلت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، ''ھمل النعم''، ریوڑ کے ان چند اونٹوں کو کہتے ہیں جو چرواہے کے بغیر دن یا رات گزاریں، ایسے اونٹوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔)

اس شخص (مالکی) کے مذکورہ بیانات سے ثابت ہو گیا کہ اس کا تعلق اہل السنۃ سے نہیں بلکہ روافض حاقدین علی اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ میں نے ایک کتاب بعنوان ''الانتصار للصحابة الاخيار في رد اباطيل حسن المالكي'' لکھی ہے، جس میں اس کی تمام اباطیل و خرافات کا رد کیا ہے۔

اس کتاب میں، میں نے حوض سے دور ہٹائے جانے کے تعلق سے لکھا ہے:

مالکی نے جو عدالتِ صحابہ کا انکار کیا ہے، اس کے رد کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ مالکی اپنی کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھتا ہے کہ ''صحابۂ کرام کی مذمتِ عام میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جس میں صحابہ کے ایک جمِ غفیر کو جہنم کی طرف جاتا دیکھ کر نبی ﷺ فرمائیں گے: یہ تو میرے صحابی ہیں، یہ تو میرے صحابی ہیں۔ کہا جائے گا: آپ (ﷺ) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئے طریقے اپنا لئے۔ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، جبکہ صحیح بخاری میں (بقولِ مالکی) یہ الفاظ بھی وارد ہیں: [فلا أری ینجو منکم إلا مثل همل النعم] یعنی تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ''مثل همل النعم'' نجات پاسکیں گے۔''

اب اس مخالف و معاند کا کہنا ہے کہ صحابہ کیلئے کیا امتیاز باقی رہ گیا جبکہ نبی ﷺ نے فرمادیا کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ نجات پاسکیں گے، باقی تمام جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے (والعیاذ باللہ) اس حاقد اور معاند نے یہی بات اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ میں دہرائی ہے۔

ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں: صحیح بخاری، کتاب الرقاق کی جس حدیث کا اس نے حوالہ دیا ہے، وہ ابوھریرۃ ؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں (۶۵۸۷):

[بینا أنا نائم فإذا زمرة، حتی إذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم، فقال: هلم، فقلت :أین ؟ قال :إلی النار واللہ! قلت: وماشأنهم ؟قال إنهم ارتدوا بعدک علی أدبارهم القهقری، ثم إذا زمرة ،حتی إذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم ، فقال: هلم ، قلت :أین ؟قال :إلی النار واللہ! قلت: ماشأنهم ؟قال: إنهم ارتدوا بعدک علی أدبارهم القهقری، فلا أراه یخلص منهم إلا مثل همل النعم]

ترجمہ: [ایک بار میں سو رہا تھا کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جب میں ان کو پہچان چکا تو

میرے اوران کے درمیان سے ایک شخص نکلا، اس نے کہا: ادھر آؤ، میں نے پوچھا: کہا؟ اس نے کہا: جہنم کی طرف اللہ کی قسم، میں نے پوچھا: ان کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ کے بعد اپنی پشتوں کے بل پھر کر ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ پھر ایک جماعت ظاہر ہوئی، جب میں انہیں پہچان چکا تو ایک آدمی میرے اوران کے درمیان سے برآمد ہوا، اس نے کہا: آؤ، میں نے کہا: کس طرف؟ اس نے کہا: جہنم کی طرف اللہ کی قسم، میں نے پوچھا: ان کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد اپنی پشتوں کے بل پھر کر ارتداد اختیار کیا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کچھ لوگ بچ کر (حوض تک پہنچ سکیں)، مگر اتنی سی تعداد میں جتنی تعداد میں دبن چرواہے رات یا دن گزارنے والے اونٹ ہوتے ہیں۔]

حافظ ابنِ حجر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی ﷺ کا فرمان: [بینا أنا نائم] اکثر نسخوں میں اسی طرح وارد ہوا ہے، جبکہ کشمیھنی کے نسخہ میں ''نائم'' بالنون کی بجائے ''قائم'' بالقاف ہے، اور یہ روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قیام سے مراد قیامت کے دن حوض پہ کھڑا ہونا ہے، اگر ''نائم'' لیا جائے تو وہ بھی درست ہے، اس سے مراد یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے دنیا میں خواب میں قیامت کے دن (حوض پہ کھڑا ہونے کا) وہ منظر دیکھا (جس کا آپ ﷺ نے حدیثِ مذکور میں ذکر فرمایا ہے)

حافظ ابن حجر نے حدیث کے آخری حصہ [فلا أراه يخلص منهم إلا مثل همل النعم] کا مطلب بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حوضِ کوثر پہ وارد ہونے کیلئے قریب آئیں گے تو انہیں روک دیا جائے گا۔ (حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ان میں سے حوضِ کوثر پر وارد ہونے والے بہت تھوڑے لوگ ہونگے؛ کیونکہ اونٹوں میں سے دبن چرواہے اونٹ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

گویا مذکورہ حدیث میں وارد الفاظ ''فلا أراه يخلص منهم إلا مثل همل النعم'' کا

مطلب یہ ہے کہ حدیثِ مذکور میں جن دو جماعتوں کے حوض پر وارد ہونے کا ذکر ہے، ان میں سے بہت تھوڑے لوگ حوض پر وارد ہوسکیں گے، حدیثِ مذکور سے کہیں یہ ثابت نہیں ہورہا کہ آپ ﷺ پر آپ کے صحابہ کی صرف یہی دو جماعتیں پیش ہونگی۔

مالکی نے جب حدیثِ مذکور کو بیان کیا تو اس میں ایک غلط لفظ ڈال دیا، اور اسی غلط لفظ کی بنیاد پر صحابۂ کرام پر ایک غلط حکمِ عام قائم کردیا، چنانچہ اس کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری میں یوں بھی مروی ہے، ''فلا أری ینجو منکم إلا مثل همل النعم ''اس نے ''منکم'' مخاطب کے لفظ کے ساتھ حدیث بیان کی حالانکہ حدیث میں ''منهم'' ہے، پھر اس نے اپنے غلط لفظ ''منکم'' کی بنیاد پر یہ بات کہہ دی کہ صحابہ کیلئے کیا امتیاز باقی رہ گیا جبکہ نبی ﷺ نے فرمادیا کہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ نجات پاسکیں گے، باقی تمام جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے (والعیاذ باللہ)

نیز یہ کہہ دیا کہ نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کے صحابہ میں سے بہت کم لوگ ''مثل همل النعم'' نجات پاسکیں گے۔

اس نے یہ بات کہہ کر نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے؛ کیونکہ نبی ﷺ نے یہ خبر نہیں دی کہ صحابۂ کرام میں سے بہت کم نجات پاسکیں گے۔ (بلکہ نبی ﷺ کی حدیث کا ملخص یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دو جماعتیں حوض پر وارد ہونے کیلئے آئیں گی، چونکہ ان میں سے اکثر نے ارتداد اختیار کرلیا تھا لہذا ان میں سے اکثر کو حوض سے روک لیا جائے گا اور بہت کم حوض پر وارد ہونگے، گویا اس حدیث میں صحابہ کرام کا ذکر نہیں بلکہ ان تھوڑے سے لوگوں کا ذکر ہے، جنہوں نے نبی ﷺ کے دور میں اسلام قبول تو کرلیا لیکن آپ ﷺ کے فوت ہوتے ہی ارتداد اختیار کرلیا۔ مترجم)

ہوسکتا ہے مالکی کی مذکورہ بات عمداً نہ ہو بلکہ بر بنائے خطأ ہو (واللہ اعلم)

بعض احادیث میں جو یہ بات وارد ہوئی ہے، کہ آپ ﷺ کے حوض سے آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو دور کردیا جائے گا، اور آپ ﷺ اصحابی یا اصیحابی کہیں گے، آپ ﷺ

کو جواب ملے گا کہ آپ (ﷺ) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئی چیزیں اپنالی تھیں۔ تو اس سے مراد وہ تھوڑے سے لوگ ہیں جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین سے قتال کیلئے اپنے لشکر روانہ کئے، جو ان مرتدین کو قتل کر کے کامیاب و کامران واپس لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں: اگر اس شخص (مالکی) کے زعم میں اکثر اصحاب رسول ﷺ کا انجام جہنم کی آگ ہے اور بہت کم نجات پاسکیں گے، تو پھر یہ مالکی اپنے لئے کس قسم کا انجام سوچے بیٹھا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں اور ہر قسم کی ذلت وخذلان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

اس شخص (مالکی) کا زعم ہے کہ شرعی صحبت صرف ان مہاجرین وانصار صحابۂ کرام کو حاصل ہے جو صلحِ حدیبیہ سے قبل موجود تھے، صلحِ حدیبیہ کے بعد آنے والے اس کے زعمِ فاسد کے مطابق صحابہ کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

اب اس کا یہ قول کہ صحابہ میں سے بہت تھوڑے نجات پائیں گے، بقیہ سب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، اس کا اطلاق انہیں انصار ومہاجرین صحابہ پر ہوگا جو حدیبیہ سے قبل آئے، (کیونکہ وہ انہی کو صحابی مانتا ہے) تو یہ صحابہ جو اس امت کا سب سے بہترین طبقہ ہے، اگر جہنم سے نہیں بچ سکتے تو پھر امت کا وہ کون سا فرد ہے تو جہنم سے بچ سکے گا۔

یہود ونصاریٰ بھی موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے بارہ میں وہ بات نہیں کہہ سکے جو یہ مالکی کہہ گیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص قبح وفساد اور شر کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، جو شخص بھی اس کی یہ بات سنے گا یا بذاتِ خود پڑھے گا تو وہ یا تو اسے مفقود العقل سمجھے گا یا اسے پرلے درجے کا خبیث اور صحابۂ کرام جو امت کی سب سے افضل جماعت ہے پر حاقد قرار دے گا، خاص طور پہ اس کا یہ کہنا کہ عباس بن عبد المطلب اور ان کا بیٹا عبد اللہ صحابی نہیں تھے، اور خاص طور

پہ اس کا یہ کہنا کہ اکثر صحابہ (تھوڑی تعداد کے علاوہ) جہنم میں جائیں گے۔

پھر اگر اس شخص کے زعم کے مطابق، اکثر صحابہ (علاوہ بعض کے) جہنمی ہیں، تو کتاب وسنت تو ہم تک صحابہ کرام کے طریق ہی سے پہنچا ہے، وہی رسول اللہ ﷺ اور بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں، تو پھر لوگوں کے پاس کون سا حق اور کون سی ہدایت ہے؛ کیونکہ ناقل میں قدح اور جرح منقول میں قدح اور جرح کے مترادف ہے۔

امام ابوزرعۃ الرازی (المتوفی:۲۶۴) فرماتے ہیں: ''اذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق وذلک أن رسول الله ﷺ عندنا حق والقرآن حق، وإنما ادّى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنالیبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولىٰ وهم زنادقة ''

ترجمہ: ''جب تم کسی شخص کو اصحابِ رسول ﷺ پر جرح کرتے ہوئے دیکھو تو یقین کرلو کہ وہ زندیق ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں، اور قرآن بھی حق ہے، ہماری طرف قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، یہ زنادقہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ان گواہوں (صحابہ کرام) پر جرح کرکے کتاب وسنت کو باطل کردیں، حالانکہ یہ خود جرح وقدح کے مستحق ہیں اور زندیق ہیں''

(الكفاية للخطيب البغدادی (ص۴۹)

مالکی کی دیگر اباطیل جنہیں اس نے اپنی کتاب ''قراءة فی كتب العقائد ''میں ذکر کیا ہے، میں ان سے بھی پردہ اٹھانا چاہتا ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان تمام اباطیل پر اپنی کتاب ''الانتصار لاهل السنة والحديث فی رد اباطيل حسن المالكی ''میں بلڈوزر چلا کر صفایا کردونگا۔

ایمان کی تعریف اور حقیقت

۲۲. قوله:" وأن الايمان قول باللسان ، وإخلاص بالقلب، وعمل بالجوارح ،يزيد بزيادة الأعمال، وينقص بنقصها ، فيكون فيها النقص وبها الزيادة ، ولا يكمل قول الايمان إلا بالعمل ، ولاقول وعمل إلا بنية ، ولاقول وعمل ونية إلا بموافقة السنة . وأنه لايكفر أحد بذنب من أهل القبلة "

ترجمہ:''اور بے شک ایمان زبان کے اقرار، دل کے اخلاص، اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، نیکیوں کی زیادتی سے بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ایمان کا قول، عمل کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اور قول وعمل دونوں نیت کی درستگی کے بغیر نامکمل ہیں، اور قول، عمل اور نیت تینوں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مطابقت کے بغیر نا قابلِ قبول ہیں، اور اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوجاتا''

شرح

(یہاں چند مسائل کا ذکر ہے)

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان کی تعریف

(۱) اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک، ایمان دل کی تصدیق، زبان کے اقرار اور اعضاء کے عمل سے بنتا ہے، ان کے نزدیک یہ تینوں امور مسمّی ایمان میں داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنفِقُونَ. أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا. لَهُمْ دَرَجَتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (الانفال:۲تا۴)

ترجمہ: ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہی لوگ ہیں ان کیلئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے''

ان آیات میں قلوب واعضاء کے تمام اعمال ایمان میں داخل کیئے گئے ہیں۔

صحیح مسلم (۵۸) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [الایمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة ، فأفضلها قول لاإله الا الله ،وأدناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان]

یعنی: [ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شعبے ہیں، سب سے افضل ''لا إلٰہ الا اللہ'' کہنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے، اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے]

اس حدیث نے بڑی صراحت سے ثابت کیا ہے کہ دل، زبان اور اعضاء سے ادا ہونے والا ہر عمل ایمان کہلاتا ہے۔ البتہ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیات میں جو عملِ صالح کا ایمان پر عطف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً ﴾

ترجمہ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کی مہمان نوازی جنت الفردوس میں ہوگی) (الکھف: ۱۰۷)

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴾

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں'' (البینۃ: ۷)

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کیلئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے'' (الکھف: ۱۰۷)

ان تمام آیات میں عطف کی دلالت یہ نہیں ہے کہ اعمال، مسمیٰ ایمان میں داخل نہیں بلکہ یہ عطف، از قبیل عطف الخاص علی العام ہے، (نہ کہ برائے مغایرت)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں ایمان کے تعلق سے پایا جانے والا تفاوت، اعمال کے تفاوت کی بناء پر ہے، نیز اقوال کے بھی؛ کیونکہ قول بھی زبان کا عمل ہے، بلکہ بعض اوقات تو یہ تفاوت، عملِ قلب کی بناء پر بھی قائم ہو جاتا ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری (۱/۴۶) میں امام نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''انتہائی ظاہر اور مختار قول کے مطابق تصدیق، جو دل کا فعل ہے، میں بھی کثرتِ نظر اور وضوحِ ادلہ کی وجہ سے کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے، اسی لئے ابوبکر صدیق ﷺ کا ایمان، دوسروں کے ایمان سے زیادہ قوی تھا؛ کیونکہ ان کے ایمان میں کسی شبہ کا کوئی شائبہ یا امکان نہیں تھا، ہماری اس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص بذاتِ خود یہ بات جانتا ہے کہ اس کے دل کی کیفیت میں تبدیلی، تفاضل یا کمی بیشی آتی رہتی ہے، حتی کہ بعض اوقات دل زیادہ دولتِ یقین واخلاص وتوکل سے معمور ہوتا ہے اور بعض حالات میں یہ کیفیت برقرار نہیں رہتی، اسی طرح تصدیق ومعرفت میں بھی دلائل کی قوت وکثرت کی بناء پر کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے'' (انتہیٰ)

(۲) ایمان کی تعریف سے عمل کو خارج کرنے والے دو گروہ ہیں، ایک جنہیں ''مرجئة الغلاة'' کہا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان قبول کر لے، کامل الایمان ہوتا ہے، ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، جیسا کہ کفر کی موجودگی میں کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔ یہ قول بہت بڑا باطل، بلکہ کفر ہے۔

دوسرے جنہیں ''مرجئة الفقهاء '' کہا جاتا ہے، یہ اہلِ کوفہ ہیں جو بیشتر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں، یہ بھی مسمّیٰ ایمان میں اعمال کے عدمِ دخول کے قائل ہیں، البتہ ''مرجئة الغلاة'' کے اس قول کے مخالف ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں گناہ نقصان نہیں دیتا۔

بلکہ وہ گناہ پر مواخذہ اور سزا ملنے کے قائل ہیں۔

مرجئة الفقهاء کا قول بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ اس سے بھی اہلِ کلام مرجہ کی بدعات کا راستہ ہموار ہوتا ہے، نیز یہ فکر معاشرہ میں فسق وفجور کے پنپنے اور رواج پانے کا ذریعہ بنتا ہے، تفصیل کیلئے شرح طحاویہ (۴۷۰) ملاحظہ ہو۔

(۳) نیکی کے کاموں سے ایمان بڑھتا ہے، جبکہ معصیتوں کے ارتکاب سے گھٹتا ہے۔

زیادتی ایمان کی ادلہ، درج ذیل آیات ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (الانفال:۲)

ترجمہ ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ (التوبۃ:۱۲۴)

ترجمہ: ''سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا''

نیز فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا ﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں'' (الفتح:۴)

نیز فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَ

هُمْ اِیْمَانًا ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

ترجمہ:''وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لئے ہیں،تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا''

نیز فرمایا:﴿ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُوْنَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَمَازَادَهُمْ إِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴾ (الاحزاب:۲۲)

ترجمہ:''اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (بے ساختہ) کہہ اٹھے! کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا،اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا''

ایمان کے کم ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

[من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ،فإن لم يستطع فبلسانه ، فإن لم يستطع فبقلبه ،وذلك اضعف الايمان]

ترجمہ:[جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے،اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرے،اگر زبان کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل میں برا جانے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے] (صحیح مسلم(۷۸)

ایمان کے کم ہونے کی ایک اور دلیل،حدیثِ شفاعت بھی ہے،جس میں ان لوگوں کے جہنم سے نکالنے کا ذکر ہے،جن کے دلوں میں ایمان ایک رائی کے دانے کی صورت ہوگا۔(دیکھیے صحیح بخاری(۷۴۳۹)اور صحیح مسلم(۳۰۲)بروایت ابوسعید خدری ؓ)

وہ حدیث بھی ایمان کی کمی کی دلیل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ناقصاتِ عقل ودین قرار دیا ہے۔ (صحیح بخاری(۳۰۴)صحیح مسلم(۱۳۲)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۴۷) میں فرماتے ہیں: امام لالکائی نے صحیح سند کے ساتھ امام

بخاری رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں ''لقیت أکثر من ألف رجل من العلماء بالامصار ، فمارأیت أحدا منهم یختلف فی أن الایمان قول وعمل ویزید وینقص''

یعنی: میں مختلف شہروں میں ایک ہزار سے زائد علماء ومحدثین سے مل چکا ہوں سب کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، اور بڑھتا اور گھٹتا ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

امام ابنِ ابی حاتم الرازی اور امام لالکائی نے اپنی اسانید سے صحابہ اور تابعین کے ایک جمِ غفیر سے ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں ایسے صحابہ اور تابعین کے نام بھی ہیں جن پر اجماع دائر ہوتا ہے۔ قاضی فضیل ابن عیاض اور امام وکیع نے ایمان کی کمی وبیشی کو اہل السنۃ والجماعۃ کا قول قرار دیا ہے۔

(۴) ''اسلام'' اور ''ایمان'' ان الفاظ میں سے ہیں جو کسی جملے میں اکھٹے مذکور ہوں تو ان کے معنی میں فرق ہوتا ہے اور جب دونوں میں سے ہر کوئی الگ الگ ذکر کیا جائے تو دونوں ایک دوسرے کا معنی دیتے ہیں، چنانچہ حدیثِ جبریل میں اسلام اور ایمان کو جمع کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ سے جب ایمان کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو ایمان کے لغوی معنی کے مناسب ومطابق تھا، (یعنی: باطنی امور) آپ ﷺ نے فرمایا:

[أن تؤمن باللہ وملا ئکته وکتبه ورسله والیوم الآخر والقدر خیره وشره]

ترجمہ: [یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری]

اور جب آپ ﷺ سے اسلام کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اسلام کے لغوی معنی کے مناسب ومطابق تھا (یعنی: ظاہری امور) آپ ﷺ نے فرمایا:

[أن تشهد أن لاالٰه الا اللہ وأن محمدا رسول اللہ وتقیم الصلاة ،وتؤتی

الزكوة،و تصوم رمضان ، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا]

ترجمہ:[یہ کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ دے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے اگر استطاعت ہو۔]

اگر لفظِ اسلام کہیں اکیلا مذکور ہو، لفظِ ایمان کے ساتھ مقترن نہ ہو تو اس کا معنی ظاہری و باطنی تمام امور کو شامل ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر لفظِ ایمان، لفظِ اسلام کے بغیر مستعمل ہو تو وہ بھی تمام ظاہری و باطنی امور کو شامل ہوسکتا ہے۔

کلامِ عرب میں اس قسم کے بہت سے مرادفات ہیں، جیسے لفظِ فقیر اور مسکین، اور جیسے لفظِ البر اور التقویٰ وغیرہ۔

(۵) ایمان میں تین چیزوں کا اجتماع ضروری ہے: اعتقاد، قول، اور عمل۔

اعتقاد اور قول، عمل کے بغیر کافی نہیں، اور ہر قول و عمل کیلئے نیت کا ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:[إنما الاعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى]

یعنی:[تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور انسان کو اس کے عمل سے وہی ملے گا جو اس نے نیت کی] (صحیح بخاری (۱) اور صحیح مسلم (۱۹۰۷)

اگر قول، عمل اور نیت تینوں چیزیں اکھٹی ہو جائیں تو یہ اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتیں جب تک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہوں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

ترجمہ:[جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز جاری کی وہ مردود ہوگی] (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں:

[من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد] یعنی:[جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا

امر یا تصدیق نہ ہو تو وہ مردود ہے]

(۶) مؤلف نے فرمایا ہے: ''ولا یکفر احد بذنب من أهل القبلة ''یعنی: ''اہلِ قبلہ میں سے کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہو جاتا۔''

البتہ اگر کوئی شخص دین کے کسی ایسے عمل کا، جس کا وجوب بداہۃً وظاہراً ثابت ہو، انکار کر دے، مثلاً: نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دین کے کسی ایسے مسئلے کی تحریم کا انکار کر دے، جس کی تحریم ظاہراً و بداہۃً ثابت ہو، مثلاً: شراب نوشی، اور زنا وغیرہ تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر لے، بشرطیکہ وہ اس کے ارتکاب کو جائز اور حلال نہ مانتا ہو، تو اہل السنۃ کے نزدیک وہ مؤمن ہے، البتہ اس کا ایمان ناقص ہے، اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، چاہے عذاب دے دے، اور چاہے معاف فرما دے۔ اگر عذاب دے گا تو اسے جہنم میں ہمیشہ نہیں رکھے گا۔

اہل السنۃ کے اس قول کی فرقہ معتزلہ اور خوارج نے مخالفت کی ہے، ان کے نزدیک گناہِ کبیرہ کا مرتکب، دنیا میں ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، اور آخرت میں جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

برزخی حیات

۲۳. قولہ:"وأن الشهداء أحياء عند ربهم يرزقون ، وأرواح أهل السعادة باقية ناعمة إلى يوم يبعثون ،وأرواح أهل الشقاوة معذبة إلى يوم الدين."

ترجمہ:"شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، نیک لوگوں کی روحیں قیامت قائم ہونے تک نعمتوں سے متمتع ہوتی رہیں گی ،جبکہ بُرے لوگوں کی روحیں قیامت تک مبتلائے عذاب رہیں گی۔"

شرح

شہداء کی برزخی زندگی اور اس کی نعمتوں کا بیان

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

ترجمہ:"جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں (آل عمران:۱۶۹)

نیز فرمایا:﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ:"اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے"

یہ حقیقی برزخی حیات کہلاتی ہے، جس کی کیفیت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ بیان ہے کہ شہداء کی روحیں سرسبز پرندوں کے اجواف میں ہوتی ہیں، جبکہ دیگر اہلِ ایمان کی روحیں ایک پرندے کی صورت میں ہوتی ہیں۔ (جنت کے اندر)

قبر میں مؤمنوں کو نعمتیں حاصل ہوتی ہے اور کافروں کو عذاب

مؤمن کی قبر میں جنت کا بستر بچھایا جاتا ہے، ایک دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے جہاں سے مسلسل جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں پہنچتی رہتی ہیں، اور اس کی قبر کو تاحدِ نگاہ کشادہ کر دیا جاتا ہے۔

جبکہ کافر کی قبر میں جہنم کا بستر بچھایا دیا جاتا ہے، اور ایک دروازہ جہنم کی طرف کھول دیا جاتا ہے، جہاں سے مسلسل جہنم کی گرم ہوائیں پہنچتی رہتی ہیں، قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔

یہ تمام احادیث مع تخریج گزر چکی ہیں۔

قبر کا فتنہ اور امتحان

۲۴۔ قولہ: " وأن المؤمنين يفتنون في قبورهم ويسألون ، ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. ﴾ (ابراهيم:۲۷)

ترجمہ: مؤمنین کو ان کی قبروں میں آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزارا جائے گا۔ ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے''

شرح

تمام لوگ اپنی قبروں میں آزمائش اور امتحان (منکر نکیر کے سوالات) کے مرحلے سے دوچار ہونگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیوی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

قبر کے فتنہ اور سوال کے حوالے سے بہت سی احادیث وارد ہیں، امام بخاری اپنی صحیح (۸۶) میں فاطمہ بنت منذر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اسماء سے اور اسماء نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، سورج گرہن کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

ترجمہ: [جو چیزیں میں آج تک نہیں دکھایا گیا تھا، آج میں نے اپنے اس مقام میں دیکھ لیں، حتی کہ جنت اور جہنم بھی، اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کر کے بتایا کہ تم اپنی قبروں کے اندر فتنے میں ڈالے جاتے ہو، اور یہ فتنہ، دجال کے فتنے کے مثل یا قریب ہے، (فاطمہ بنت منذر کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اسماء نے کون سا لفظ ذکر کیا)

پوچھا جائے گا: اس آدمی کے بارہ میں تم کیا جانتے ہو؟

مؤمن یا موقن (وہ شخص جسے یقین کی نعمت میسر ہو، فاطمہ کا کہنا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ استعمال کیا) کہے گا: وہ محمد ﷺ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ہمارے پاس بینات اور ہدایت لیکر آئے، ہم نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور آپ ﷺ کی اتباع اختیار کر لی، وہ محمد ﷺ ہیں۔ (یہ لفظ تین بار کہے گا)

اس سے کہا جائے گا: تم میٹھی نیند سو جاؤ، ہمیں پتا چل گیا تھا کہ تم خوب یقین کی نعمت سے مالا مال ہو۔

منافق یا مرتاب (یعنی وہ شخص جو شک وشبہ میں مبتلا ہو، فاطمہ کہتی ہیں مجھے یاد نہیں کہ اسماء نے کون سا لفظ کہا تھا) سے جب یہی سوال ہوگا تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، میں نے تو لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا اور وہی کہنا شروع کر دیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح (۴۶۹۹) میں براء بن عازب ؓ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، فذلك قوله: ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ

الدُّنیا وَفِی الْآخِرَةِ. ﴾]

ترجمہ:[مسلمان جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی گواہی مراد ہے ''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے''] (یعنی قولِ ثابت سے مراد کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی کے ملنے سے مراد قبر میں اس کلمہ کو پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمانا ہے، جو کامیابی کی علامت ہے، قبر میں اور قیامت کے دن)

مسند احمد میں، بسندِ حسن، براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:[قبر میں مؤمن کے پاس دو فرشتے آئیں گے، اسے بٹھالیں گے اور پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے۔ وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: میرا دین اسلام ہے۔ وہ پوچھیں گے: جو شخص تم میں مبعوث ہوا وہ کیا ہے؟ کہے گا: وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

جب کہ کافر کے پاس وہی دونوں فرشتے آئیں گے، اسے بٹھالیں گے، اور پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔ وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔ وہ پوچھیں گے: جو شخص تم میں مبعوث ہوا کون ہے؟ جواب دے گا: ہائے افسوس مجھے معلوم نہیں۔]

مصنف عبدالرزاق (۶۷۴۴) میں ابن جریج کے طریق سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے ابو الزبیر نے یہ حدیث سنائی، انہوں نے جابر بن عبداللہ الانصاری سے سنی، فرماتے ہیں:

[بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے، ایک مؤمن جب اپنی قبر میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے دوست واحباب اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، تو ایک فرشتہ شدید غیظ وغضب کی حالت میں آکر، ڈانٹ ڈپٹ کے انداز میں پوچھتا ہے: اس شخص کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو؟

مؤمن جواب دیتا ہے: وہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ فرشتہ کہتا ہے: ذرا اپنے اس ٹھکانے کو دیکھو جو تمہارے لئے پہلے جہنم میں بنایا گیا تھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دے دی ہے، اور اس کے بدلے میں جنت کا ٹھکانہ عطا فرما دیا ہے۔

مؤمن ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا، پھر خوشی سے کہے گا: میں اپنے اہل کو خوشخبری دے آؤں؟ کہا جائے گا: یہیں پرسکون رہو، اب یہ تمہارا ہمیشہ کا مستقل ٹھکانہ ہے۔

منافق کو جب اس کے ساتھی دفن کر کے چلے جاتے ہیں، تو اس سے فرشتہ پوچھتا ہے: تیرا اس شخص کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں، میں تو وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہا کرتے تھے۔ فرشتہ کہے گا: تو نے کچھ نہ جانا، اب ذرا اپنا وہ ٹھکانہ دیکھ لے جو پہلے تیرے لئے جنت میں تیار کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے جہنم کا ٹھکانہ تیار کر دیا ہے۔]

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ مرفوع کے حکم میں ہے (اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی اس قسم کی خبر اپنے رائے سے نہیں دے سکتا لہذا وہ حدیث جو صحابی پر موقوف ہو لیکن مضمونِ حدیث ایسا ہو جس میں ذاتی رائے کی گنجائش نہ ہو تو اسے علماء نے مرفوع کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ ہو الفیۃ الحدیث للامام العراقی وغیرہ)

امام مسلم نے اپنی صحیح (۵۸۸) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے: [إذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع ، يقول :اللهم إني اعوذبک من عذاب جهنم ، ومن عذاب القبر ، ومن فتنة المحيا والممات ، ومن شر فتنة المسيح الدجال]

ترجمہ: [جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں تشہد پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی چار چیزوں سے پناہ طلب کرے، یوں کہے: اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور قبر کے عذاب سے بھی، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے بھی، اور مسیحِ دجال کے فتنہ کے شر سے بھی (تیری پناہ میں آتا ہوں)]

صحیح بخاری (۱۳۷۷) میں ہے:

عن ابی هریرة ﷺ قال :[كان رسول الله ﷺ يدعو: اللهم إني اعوذبک من عذاب القبر، ومن عذاب النار، ومن فتنة المحيا والممات، ومن فتنةالمسيح الدجال]

ترجمہ: ابوھریرۃ ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:[رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میں عذابِ قبر سے، عذاب جہنم سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیحِ دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں]

یہ تین امور، جن کی بابت قبر میں سوال کیا جائے گا، (یعنی: من ربک ؟ ما دینک ؟من نبیک؟) عباس بن عبدالمطلب ﷺ کی ایک حدیث میں اکھٹے ذکر ہوئے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم (۵۶) میں ہے، عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

[ذاق طعم الايمان من رضی بالله ربا ، وبالاسلام دينا، وبمحمد رسولا]

یعنی:[اس شخص نے ایمان کی حلاوت چکھ لی جو اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو رسول مان کر راضی ہو گیا]

انہی تین امور کا صبح وشام کے اذکار میں بھی ذکر ہے، اس کے علاوہ اذان کی دعا میں بھی یہ تینوں امور مذکور ہیں۔ (اس سے شریعت کی یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے، کہ چونکہ یہ تینوں سوال قبر میں پوچھے جائیں گے، اور قبر قیامت کی پہلی گھاٹی ہے، لہذا بندہ ہر روز بار بار ان تینوں امور کو دہراتا رہے، چنانچہ صبح وشام کے اذکار میں، اور پنج وقتہ نمازوں کی اذانوں کے جواب میں یہ تینوں چیزیں یعنی: اللہ پر ایمان، رسول پر ایمان اور دین اسلام کا اقرار، شامل رکھی گئیں، ہم صحیح فہم کے ساتھ یہ دعائیں پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ امتحانِ قبر میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرمائے)

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ایک انتہائی نفیس رسالہ بنام ''الاصول الثلاثة وادلتها '' تألیف فرمایا ہے، اس رسالہ کی بنیاد یہی تین امور ہیں۔ چنانچہ اصولِ ثلاثہ سے ان کی مراد یہی تین چیزیں ہیں: معرفتِ رب، معرفتِ دین، اور معرفتِ نبی ﷺ۔ یہ رسالہ ہر شخص اور ہر طالبِ علم کی ضرورت ہے، کوئی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

فرشتوں پر ایمان کی حقیقت

۲۵." وأن على العباد حفظة يكتبون أعمالهم، ولا يسقط شيء من ذلك عن علم ربهم، وأن ملك الموت يقبض الأرواح بإذن ربه."

ترجمہ: ''بندوں پر نگران فرشتے مقرر ہیں، جو ان کے اعمال لکھتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی کوئی عمل ساقط نہیں ہوتا (خواہ فرشتے لکھیں یا نہ) اور ملک الموت فرشتہ اللہ کے اذن سے روحیں قبض کرتا ہے۔''

شرح

ایمان کے چھ اصولوں میں سے ایک اصل فرشتوں پر ایمان لانا ہے، یہ چھ اصول حدیثِ جبریل میں مذکور ہیں:

[أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره]

ترجمہ: [یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری]

فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اس کی دلیل، صحیح مسلم (۲۹۹۶) میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [خلقت الملائكة من نور ،وخلق الجان من مارج من نار، وخلق آدم مما وصف لكم]

یعنی: [فرشتوں کو نور سے، اور جنوں کو آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے، جبکہ آدم کو جس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ تمہیں بتادی گئی ہے (یعنی مٹی)۔]

فرشتوں کے پر بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترجمہ: ''اس اللہ کیلئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور دو دو، تین تین، چار چار، پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے، مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے''

جبریل امین کے چھ سو پر ہیں۔ (صحیح بخاری (۳۲۳۲) اور صحیح مسلم (۲۸۰)

فرشتے، انسانوں کے پاس اپنی اس ہیئت یا شکل میں نہیں آتے جن پر انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، بلکہ دیگر شکلوں میں آتے ہیں، جیسا کہ جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک غیر معروف آدمی کی شکل میں آنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو حدیثِ جبریل، جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے، اور یہ صحیح مسلم میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے۔

اسی طرح جبریل علیہ السلام، دحیہ بن خلیفہ الکلبی کی شکل میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے، مریم علیہا السلام کے پاس بھی بصورتِ بشر آئے۔ ملائکہ ابراھیم علیہ السلام کے پاس بھی انسانی شکل میں آئے تھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (الحجر:۵۱)

ترجمہ: ''انہیں ابراھیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سنا دو''

نیز فرمایا: ﴿ هَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ ﴾ (الذاریات:۲۴)

ترجمہ: ''کیا تجھے ابراھیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟''

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ''البیت المعمور'' جو ساتویں آسمان میں فرشتوں کی مسجد ہے میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور جو فرشتہ ایک بار داخل ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں لوٹ پاتا۔ (صحیح بخاری (۳۲۰۷) اور صحیح مسلم (۲۵۹)

فرشتوں کی کثرتِ تعداد کی ایک اور دلیل، صحیح مسلم (۲۸۴۲) کی یہ حدیث ہے:

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ :[یؤتی بجھنم یومئذ لھا سبعون ألف زمام مع کل زمام سبعون ألف ملک یجرونھا]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قیامت کے دن جہنم کو اس طرح لایا جائے گا کہ وہ ستر ہزار لگاموں میں جکڑی ہوگی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی ہوگی، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔] (صرف ان فرشتوں کی تعداد چار ارب نوے کروڑ بنتی ہے)

فرشتوں میں سے کچھ تو وحی پہنچانے پر مأمور ہیں، کچھ بارش برسانے پر، کچھ موت پر، کچھ عورتوں کے ارحام پر، کچھ بندوں کی حفاظت پر، کچھ جنت پر، کچھ جہنم پر، اور کچھ ان کے علاوہ دیگر ڈیوٹیوں پر مقرر ہیں۔ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے امر پر سر جھکانے والے اور فوری اطاعت کرنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے کسی امر کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ انجام دیتے ہیں جن کا انہیں پروردگار کی طرف سے حکم ملتا ہے، قرآن وحدیث میں فرشتوں کی بابت جو خبریں وارد ہوئی ہیں، ان پر ایمان لانا اور مکمل تصدیق کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

(۲) ملائکہ کی ایک بڑی تعداد کو، انسانوں کی حفاظت اور ان کے اعمال کی کتابت کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ . كِرَامًا كَاتِبِيْنَ . يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''یقیناً تم پر نگہبان عزت والے۔ لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں'' (الانفطار:۱۰تا۱۲)

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ. مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّالَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (ق:۱۶تا۱۸)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے، انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے''

وہ فرشتے جنہیں بندوں کے اعمال کی کتابت کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے، وہ بندوں کے تمام اعمال واقوال لکھ لیتے ہیں، حتی کہ بندے اگر کسی نیکی یا بدی کا ارادہ کریں تو وہ بھی نوٹ کر لیتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری (۷۵۰۱) اور صحیح مسلم (۲۰۳) میں ہے:

عن ابی هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: [يقول الله :إذا اراد عبدی ان يعمل سيئة فلا تكتبوها عليه حتى يعملها ، فإن عملها فاكتبوها بمثلها ، وإن تركها من أجلی فاكتبوها له حسنة، وإن اراد أن يعمل حسنة فلم يعملها فاكتبوها لها حسنة ،فإن عملها فاكتبوها له بعشر أمثالها إلى سبعمأة]

ترجمہ: ابوھریرۃ ﷺ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [جب میرا

بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس وقت تک نہ لکھو جب تک کر نہ لے اور جب کر لے تو ایک ہی گناہ لکھو، اور اگر اسے میرے خوف سے چھوڑ دے تو اس کیلئے ایک نیکی لکھ دو۔ اور جب بندہ کسی نیکی کا ارادہ کر لے، تو اگر وہ نیکی نہ کر سکا تو بھی اس کیلئے ایک نیکی لکھ دو، اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی، تو اسے دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھا کر لکھ دو۔]

اور جہاں تک فرشتوں کو انسانوں کی حفاظت کی ڈیوٹی سونپنے کا تعلق ہے، تو یہ ان امور سے حفاظت ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا اور حکم فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: ''اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں'' (الرعد:۱۱)

واضح ہو کہ بندوں کے اعمال واقوال، فرشتے لکھیں یا نہ لکھیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، (یعنی اللہ تعالیٰ اعمال واقوال کے علم کیلئے ملائکہ کی کتابت کا محتاج نہیں ہے)

اللہ رب العزت نے کتابت کا حکم اس لئے فرما رکھا ہے کہ فرشتے بندوں کے اعمال واقوال کا شمار واحصاء کر کے، قیامت کے دن بندوں کو آگاہ کر دیں، یوں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا اظہار واعلان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے نیک اعمال سے باخبر کر دے گا (اور انہیں ان کا عظیم صلہ عطا فرما دے گا) اور بُرے اعمال کی اطلاع دے کر انہیں ان کی سزا دے گا، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾

ترجمہ: ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:۷...۸)

گناہوں میں سے شرک کی سزا تو لازمی ملے گی، دیگر گناہوں کی سزا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے

تحت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے'' (النساء:۴۸)

(۳) ملائکہ پر ایمان لانے میں، ان ملائکہ پر ایمان لانا بھی شامل ہے، جنہیں موت (قبضِ ارواح) کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔

قرآنِ حکیم میں ''اَلتَّوَفِّیْ'' یعنی موت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور ملائکہ کی طرف بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ (الزمر:۴۲)

ترجمہ: ''اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے''

ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے:

﴿ حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾ (الانعام:۶۱)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے''

جب کہ ایک مقام پر ملک الموت کی طرف بھی موت دینے کی نسبت مذکور ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم سب

اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے" (السجدۃ:۱۱)

واضح ہو کہ موت دینے سے متعلق، ان تین مختلف نسبتوں میں کوئی منافات یا تعارض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف موت دینے کی نسبت اس لئے ہے کہ وہ موت کا حکم اور فیصلہ فرمانے والا ہے، وہی موت کا مقدر وموجد ہے، اور ملک الموت کی طرف اس لئے نسبت ہے کہ وہ مباشرۃً (یعنی اپنے ہاتھوں سے) روح قبض کرتا ہے، جبکہ ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت اس لئے وارد ہوئی ہے کہ وہ ملک الموت سے، جب وہ روح قبض کر لیتا ہے، لے لیتے ہیں (اور اسے اس کے اصل ٹھکانے تک پہنچا دیتے ہیں)

ان تمام امور کا بیان مسند احمد کی ایک حدیث (۱۸۵۳۴) میں وارد ہے، جو براء بن عازب ؓ سے بسندِ حسن مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[بندۂ مؤمن پر جب دنیا سے قطعِ تعلق اور آخرت کے سفر پر روانگی کا وقت آتا ہے تو آسمان سے روشن چہرہ فرشتے نازل ہوتے ہیں، شدید روشنی کی وجہ سے ان کے چہرے سورج معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ جنت کے کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، وہ اس بندے سے نگاہ بھر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام آ جاتا ہے، اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے: اے نفسِ طیبہ اپنے پروردگار کی مغفرت اور رضاء کی طرف نکل جا۔ اس کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ بہتے ہوئے نکل جاتا ہے۔ ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور جونہی پکڑتا ہے وہ فرشتے فوراً پہنچ جاتے ہیں اور پلک جھپکنے کے اندر ہی ملک الموت سے اس روح کو لے لیتے ہیں، اور اسے جنت کا کفن پہنا کر خوشبوؤں سے معطر کر دیتے ہیں، چنانچہ اس روح سے روئے زمین پر پائی جانے والی سب سے عمدہ خوشبو کے بھپکے نکلتے رہتے ہیں....

(رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا) کافر پر جب دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے سفر پہ روانگی کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے اپنے ہاتھوں میں ٹاٹ لئے اترتے ہیں، اور اس

سے نگاہ بھر کی دوری پہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت فرشتہ اترتا ہے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے: اے نفسِ خبیثہ! تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل جا، پھر وہ اس کے جسم سے روح کو اس طرح نکالتا ہے جیسے بھیگی ہوئی اون سے لوہے کی سیخ کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔

جب ملک الموت اس کی روح نکال لیتا ہے، وہ فرشتے پلک جھپکنے کے اندر اس روح کو لے لیتے ہیں اور اس ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اور اس میں سے روئے زمین پر موجود سب سے بدبودار مردار کی بدبو کے بھپکے پھوٹتے ہیں۔

صحابۂ کرام کا بیان

۲۶۔ "وأن خير القرون القرن الذين رأوا رسول الله ﷺ وآمنوا به، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، وأفضل الصحابة الخلفاء الراشدون المهديون؛ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم أجمعين.

وأن لا يذكر أحد من صحابة الرسول ﷺ إلا بأحسن ذكر، والإمساك عما شجر بينهم، وأنهم أحق الناس أن يلتمس لهم أحسن المخارج، ويظن بهم احسن المذاهب"

ترجمہ: "اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر ان لوگوں کا جو صحابہ کے بعد آئے، پھر ان کے بعد آنے والوں کا۔ صحابہ کرام میں سے سب سے افضل خلفاءِ راشدین ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، وہ ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنھم اجمعین ہیں۔"

ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کو اچھے ذکر سے یاد کیا جائے، ان کے آپس

کے مشاجرات واختلافات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے، وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ (ان کے مشاجرات میں) ان کیلئے بہتر مخرج تلاش کیا جائے، اور ان کے بارہ میں سب سے اچھا گمان قائم کیا جائے۔

شرح

(یہاں بہت سے مسائل مذکور ہیں)

(۱) سب سے پہلے صحابی کی تعریف، صحابی ہر وہ شخص ہے جو ایمان کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کو ملا ہو اور اسلام ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ یہ تعریف حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' کے مقدمہ (ص:۱۰) میں نقل فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ''وأصح ما وقفت علیه من ذلک أن الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به ومات علی الاسلام''، یعنی: میرے علم کے مطابق صحابی کی سب سے صحیح تعریف یہ ہے کہ جو نبی ﷺ پر ایمان کے ساتھ، نبی ﷺ کو ملا ہو اور اسلام ہی پر فوت ہوا ہو۔

حافظ ابنِ حجر (ص:۱۲) میں مزید فرماتے ہیں: ''یہ تعریف محققین مثلاً: امام بخاری اور ان کے شیخ امام احمد بن حنبل اور ان کے اتباع، کے نزدیک سب سے اَصح اور پسندیدہ قرار پائی ہے۔

حافظ ابنِ حجر، اس تعریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تعریف میں ''نبی ﷺ سے ملنے'' کی جو قید ہے اس میں ہر وہ صحابی داخل ہے جسے نبی ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، خواہ صحبت طویل رہی یا مختصر، خواہ آپ ﷺ سے حدیث روایت کی یا نہ، اور خواہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی غزوہ کیا یا نہ۔ اسی طرح یہ تعریف اس صحابی کو بھی شامل ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو، خواہ مجالست کا شرف نہ ملا ہو۔ اسی طرح یہ تعریف اس صحابی کو بھی شامل ہے جس نے کسی عارضے کی وجہ سے نبی ﷺ کو نہ دیکھا ہو، مثلاً: اندھا پن وغیرہ۔

''بحالتِ ایمان'' دیکھنے کی قید سے وہ شخص نکل گیا جس نے آپ ﷺ کو بحالتِ کفر دیکھا،

خواہ بعد میں اسلام قبول کرلیا ہو، بشرطیکہ دوبارہ آپ ﷺ سے نہ ملا ہو۔

''نبی ﷺ پر ایمان'' کی قید سے وہ شخص خارج ہوگیا جو کسی اور پر ایمان رکھتا ہو، مثلاً: وہ مؤمن اہلِ کتاب جو بعثت سے قبل آپ ﷺ سے ملے تھے۔ البتہ وہ اہلِ کتاب جنہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور اس بات پر ایمان واقرار کا اظہار کیا کہ عنقریب آپ ﷺ کی بعثت ہونے والی ہے، ان پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں، اس بارہ میں علماء کی دونوں رائیں ملتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں راھب بحیرا، اور اس جیسے دیگر لوگ شامل ہیں۔

آپ ﷺ پر ایمان لانے کی قید میں ہر مکلّف داخل ہے، خواہ وہ انسان ہو یا جن۔

''اسلام پر فوت ہونے'' کی قید سے وہ لوگ زمرۂ صحابیت سے خارج ہوگئے جنہوں نے بحالتِ ایمان آپ ﷺ سے ملاقات تو کی، لیکن مرتد ہوکر مرے (والعیاذ باللہ)

اس زمرہ میں بہت تھوڑے لوگوں کا نام آتا ہے، ان میں سے ایک عبید اللہ بن جحش ہے، جو امِ حبیبۃ کا شوہر تھا، یہ شخص اُمِ حبیبۃ کے ساتھ ہی اسلام لایا تھا، بلکہ حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی، لیکن بعد میں نصرانی ہوگیا اور نصرانیت پر ہی مرگیا۔

دوسرا نام عبداللہ بن خطل کا ہے، جسے فتح مکہ کے موقعہ پر جبکہ وہ غلافِ کعبہ سے لٹکا ہوا تھا (نبی ﷺ کے حکم پر) قتل کردیا گیا تھا۔

ایک اور نام ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے، میں اس کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب ''الاصابۃ'' کی چوتھی قسم، ''حرف الراء'' میں کرونگا۔

اس قید، یعنی ''اسلام پر فوت ہوا ہو''، کے تحت وہ شخص بھی زمرۂ صحابیت میں داخل ہوگا جو نبی ﷺ پر ایمان لاکر مرتد ہوگیا، لیکن موت سے قبل دوبارہ اسلام قبول کرلیا، خواہ دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ سے ملا ہو یا نہ۔ یہی بات صحیح اور معتمد ہے۔

اس میں پہلی شق یعنی دوبارہ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ سے ملا ہو، کی صورت میں اس

کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن دوسری شِق یعنی دوبارہ ملاقات نہ ہونے کی صورت میں بعض لوگوں نے اس کے صحابی ہونے کو تسلیم نہیں کیا، لیکن یہ احتمال مردود ہے؛ کیونکہ تمام اہل الحدیث کا اشعث بن قیس کو صحابہ کی فہرست میں شامل کرنے پر اور اس کی احادیث کو اپنی صحاح ومسانید میں روایت کرنے پر اجماع ہے، حالانکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، پھر دوبارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام قبول کیا تھا۔

ابنِ ابی زید (مؤلف) کا یہ فرمانا: ''اور بے شک سب سے بہترین زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا'' اس قول کے بالکل مطابق اور موافق ہے جو حافظ ابنِ حجر نے امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور ان کے اتباع کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص نبی ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی رؤیت، دونوں چیزوں سے مشرف ہوگیا، اسے شرفِ صحابیت حاصل ہوگیا۔ یہ بات اِس دور کی پیداوار، مبتدع شخص (مالکی) کے قول کے خلاف ہے، جس کا ذکر حوضِ رسول ﷺ کی بحث میں گزر چکا ہے۔ جس کذب اور بہتان پر مبنی یہ زعمِ باطل ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے بعد اسلام لانے والے اور ہجرت کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہیں ہیں، بلکہ ان کی صحبت کفار ومنافقین کی صحبت کی مانند ہے، میں نے اس ظالمانہ زعم کا بطلان اپنی کتاب ''الانتصار للصحابة الاخيار فی رد أباطيل حسن المالكی'' میں بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے۔

فضائلِ صحابہ کتاب وسنت سے

(۲) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، اس امت کے سب سے بہترین انسان ہیں، اور یہ امت، سابقہ تمام امتوں سے افضل ہے۔ صحابۂ کرام کے بعد، تابعین اور ان کے بعد، تبع تابعین کا درجہ اور مقام ہے، قرآن وحدیث میں صحابۂ کرام کی فضیلت وذہانت کا جابجا تذکرہ موجود ہے۔ قرآنِ حکیم کی چند آیات ملاحظہ ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

ترجمہ: ''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے''

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ إلى قوله ﴿ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع، اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے''

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ﴾ (الحدید:۱۰)

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے

فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے''

نیز فرمایا: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِم وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَايَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَالَّذِيْنَ جَآؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحشر:۸تا۱۰)

ترجمہ: ''(فئی کا مال) ان فقراء مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز ہیں۔ اور (ان کیلئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''

اب چند احادیث جو صحابۂ کرام کی فضیلت پر مشتمل ہیں پیش کی جاتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:[خیر الناس قرنی ،ثم الذین یلونهم ،ثم الذین یلونهم]یعنی:[سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے](صحیح بخاری (۳۶۵۱) اور صحیح مسلم)

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت سے ہے، اور الفاظ صحیح بخاری کے ہیں جبکہ بخاری ومسلم نے عمران بن حصین ؓ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[خیر أمتی قرنی ،ثم الذین یلونهم ،ثم الذین یلونهم ، قال عمران :فلاأدری أذکر بعد قرنه قرنین أو ثلاثة]

یعنی:[میری امت میں سب سے بہترین لوگ میرے دور کے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔ عمران فرماتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور کے بعد دو زمانے ذکر فرمائے یا تین]

اس حدیث کے الفاظ بھی صحیح بخاری (۳۶۵۰) سے نقل کئے گئے ہیں۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[یأتی علی الناس زمان، یغزو فئام من الناس، فیقال لهم: فیکم من رأی رسول الله ﷺ ؟ فیقولون : نعم! فیفتح لهم، ثم یغزو فئام من الناس ، فیقال لهم: فیکم من رأی من صحب رسول الله ﷺ ؟فیقولون :نعم ! فیفتح لهم،ثم یغزو فئام من الناس، فیقال لهم: هل فیکم من رأی من صحب من صحب رسول الله ﷺ ؟فیقولون :نعم! فیفتح لهم]

ترجمہ:[(عنقریب) ایک دور آنے والا ہے، لوگوں کی ایک جماعت غزوہ کرے گی، ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے بیچ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ تو انہیں فتح عطا فرمادی جائے گی۔ پھر لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی، ان

سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ انہیں بھی فتح دے دی جائے گی۔ پھر لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی، ان سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے بیچ ایسے لوگ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھیوں کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں۔ تو انہیں بھی فتحیاب کر دیا جائے گا]

(صحیح بخاری (۳۶۴۹) صحیح مسلم (۲۵۳۲) یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: [لا تسبوا اصحابی، فلو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه]

ترجمہ: [میرے صحابہ پر گالی گلوچ یا طعنہ زنی نہ کرو، تم میں سے کوئی شخص، اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاؤ بھر خرچ کی ہوئی کھجوروں کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا]

(صحیح بخاری (۳۶۷۳) صحیح مسلم (۲۵۴۱) بروایت: ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي، فإذا ذهبت أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي مايوعدون]

ترجمہ: [ستارے آسمان کی امان ہیں، جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان پر وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ ٹوٹ پھوٹ جو قیامت کے وقوع کے موقع پر ہوگی)۔

اور میں اپنے اصحاب کی امان ہوں جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ کو (وہ فتنے) لاحق ہونگے، جن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ، میری امت کے امان ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت اُن فتنوں میں گھر جائے گی، جن کا وعدہ کیا گیا ہے]

(صحیح مسلم (۲۵۳۱) بروایت: ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ)

(۳) اصحابِ رسول ﷺ میں سب سے افضل، خلفاءِ راشدین ہیں، جو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے ہیں، وہ: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، اور پھر علی رضی اللہ عنھم ہیں، جو ان کی خلافت کی ترتیب ہے وہی ان کے شان ومرتبہ کی ترتیب ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری (۳۶۷۱) کی حدیث ہے، جو محمد بن الحنفیہ، جو علی بن ابی طالب ؓ کے بیٹے ہیں، سے مروی ہے۔

محمد کہتے ہیں: [میں نے اپنے والد علی ؓ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر ؓ۔ میں نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: عمر ؓ۔ پھر میں نے اس ڈر سے کہ آگے عثمان ؓ کا نام نہ لے لیں، کہا: پھر آپ؟ فرمایا: میں تو مسلمانوں میں ایک عام سا شخص ہوں]

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جو شعیب الأرنؤوط اور عادل مرشد کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے کے (رقم: ۸۳۵) میں روایت لائے ہیں:

ترجمہ: [ہمیں حدیث بیان کی اسمٰعیل بن ابراھیم نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی منصور بن عبدالرحمٰن الغدانی الاشل نے، انہوں نے شعبی سے سنا، وہ فرماتے ہیں: ہمیں ابوجحیفہ، جنہیں علی ؓ ''وہب الخیر'' کا نام دیا کرتے تھے، نے حدیث بیان کی، فرماتے ہیں: مجھ سے علی ؓ نے پوچھا: اے ابوجحیفہ کیا تمہیں بتاؤں کہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد، سب سے افضل کون ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ (ابوجحیفہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں علی ؓ سے افضل کوئی نہیں تھا) لیکن انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے بعد، اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ؓ ہیں، اور ان کے بعد عمر ؓ ہیں، اور ان دونوں کے بعد ایک تیسری شخصیت ہے، جس کا انہوں نے نام نہیں بتایا] (اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں، علاوہ منصور بن عبدالرحمٰن کے کہ وہ صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ علی ؓ کا یہ اثر جو ابوجحیفہ سے مروی ہے، مسند احمد میں بھی وارد ہے، اور ان کے بیٹے عبداللہ کی زوائد میں بھی صحیح یا حسن اسناد کے

ساتھ وارد ہے، جن کے ارقام (۸۳۳تا۸۳۷) ہیں، نیز (۸۷۱) بھی ہے۔

صحیح بخاری (۳۶۵۵) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: [ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کے درمیان از روئے مرتبہ، درجہ بندی کرتے تھے، چنانچہ ہم سب سے افضل ابوبکر ؓ کو قرار دیتے تھے، پھر عمر ؓ کو پھر عثمان بن عفان ؓ کو۔]

حافظ ابن حجر نے ''تقریب التھذیب'' میں علی بن ابی طالب ؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے: علی ؓ، ماہِ رمضان، چالیس ہجری میں فوت ہوئے، اور اس وقت وہ زمین پر موجود تمام زندہ افراد میں سب سے افضل تھے، اس پر تمام اہل السنۃ کا اجماع ہے۔

خلفاءِ راشدین اور ان کی خلافت کی فضیلت میں، عرباض بن ساریہ ؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک وارد ہے:

[...فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى إختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [...میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت کو لازم پکڑ لینا، نیز خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو بھی، اسے مضبوطی سے تھام لینا، بلکہ اپنی داڑھوں میں دبا لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے] (ابوداؤد (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

نیز خلفاءِ راشدین اور ان کی خلافت کی فضیلت، سفینہ ؓ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے، ارشادِ گرامی ہے: [خلافة النبوة ثلاثون سنة، ثم يؤتي الله الملك أو ملكه من يشاء] یعنی: [خلافت علی منہاجِ النبوۃ کی مدت تیس سال ہے، اس کے

بعد اللہ تعالیٰ بادشاہت یا اپنی بادشاہت، جسے چاہے گا عطا فرمادے گا] (سنن ابی داؤد (۴۶۴۶) وغیرہ۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے شیخ البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (۴۶۰) میں ذکر کیا ہے اور نو علماء سے اس کی تصحیح نقل فرمائی ہے)

(۴) رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ عادل ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے، ان کی ثناء بیان کی ہے، اس عظیم الشان تعدیل کے بعد وہ کسی معدِّل کی تعدیل، اور کسی موثِّق کی توثیق کے محتاج نہیں ہیں، اسی لئے علماءِ سلف اپنی کتبِ تراجم میں جب کسی صحابی کا ترجمہ لکھتے ہیں تو صرف صحابی کہنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، دیگر رجال کی طرح ان کی توثیق کے اقوال نقل نہیں کرتے (کیونکہ ان کی ثقاہت وعدالت کتاب وسنت کے نصوص سے مسلم ہے)

حافظ ابن عبدالبر اپنی کتاب ''التمہید'' (۲۲/ ۴۷) میں فرماتے ہیں:

'' تابعی، جب رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی سے حدیث روایت کرتا ہے تو اس حدیث پر وجوبِ عمل کیلئے، اس صحابی کا نام لے یا نہ لے، کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیونکہ تمام صحابہ عادل، ثقہ، ثبت اور انتہائی پسندیدہ ہیں، تمام علماءِ اہلحدیث اس بات پر متفق ومجتمع ہیں ''

امام قرطبی، اپنی تفسیر (۱۶/ ۲۹۹) میں فرماتے ہیں:

'' صحابۂ کرام، سب کے سب عادل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء واصفیاء ہیں، انبیاء ورسل کے بعد تمام خلق میں سب سے افضل ہیں۔ یہی اہل السنۃ کا مذہب ہے، اور اس امت کے أئمہ کا قول بھی۔ ایک چھوٹی سی جماعت، جو قطعاً کسی پرواہ کئے جانے کے قابل نہیں ہے کا خیال ہے کہ صحابۂ کرام کا حال بھی عام انسانوں جیسا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی عدالت کی چھان بین کی ضرورت ہے ''

حافظ ابن حجر ''الاصابۃ'' (۱/ ۱۷) میں فرماتے ہیں:

'' تمام اہل السنۃ، تمام صحابۂ کرام کے عادل ہونے پر متفق ہیں، اس اجماع کی مخالفت صرف

ایک چھوٹے سے بدعتی ٹولے نے کی ہے ''

امام سیوطی نے ''تدریب الراوی'' (۴۰۰) میں اس بدعتی ٹولے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ معتزلہ ہیں جن کا کہنا ہے کہ علی ﷺ سے قتال کرنے والوں کے علاوہ تمام صحابہ عدول ہیں

شیخ ابن الصلاح ''علوم الحدیث'' (۲۶۴) میں فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام کو ایک خصوصی اور امتیازی شرف حاصل ہے، اور وہ یہ کہ کسی صحابی کی عدالت کا سوال نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ ان کی عدالت ایک طے شدہ حقیقت ہے؛ کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص اور اجماعِ معتد بہ سے، علی الاطلاق ان کی عدالت ثابت ہے۔

شیخ ابن الصلاح (ص: ۲۶۵) میں مزید فرماتے ہیں: پھر تمام امت، تمام صحابہ کو عادل قرار دینے میں متفق ہے، حتی کہ ان صحابہ کی تعدیل پر بھی جن کے فتنوں میں شامل ہونے کی نقول ملتی ہیں، اس پر ان علماءِ کرام کا اجماع ہے جن کے اجماع کو معتد بہ سمجھا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام کی تعدیل پر یہ اجماع ان کے ساتھ حسنِ ظن اور ان سے ثابت شدہ مآثر ومناقب کی بناء پر ہے، گویا تعدیل صحابہ پر اجماع، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امرِ مقدر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام شریعت کے ناقلینِ اولین ہیں۔ '' (واللہ اعلم)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح (۱۵/۱۴۹) میں فرماتے ہیں:

'' اسی لئے تمام اہلِ حق اور وہ ائمہ جن کا اجماع معتد بہ مانا جاتا ہے، صحابۂ کرام کی شہادات، روایات اور کمالِ عدالت پر متفق ہیں ''

خطیب بغدادی ''الکفایة'' (ص: ۴۶) میں فرماتے ہیں:

''ہر وہ حدیث جس کی سند راوی سے لیکر نبی ﷺ تک متصل ہو، اس پر اس وقت تک عمل واجب نہیں ہوتا جب تک اس کے تمام راویوں کی عدالت ثابت نہ ہوجائے، چنانچہ اس صحابی کے علاوہ جو اسے نبی ﷺ سے مرفوعاً نقل فرمارہا ہے، تمام رجالِ حدیث کے احوال کی چھان بین

ضروری ہے، صحابہ کے احوال کی چھان بین کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ ان سب کی عدالت اللہ تعالیٰ کی تعدیل سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ان کی طہارت کی خبر دیتا ہے، اور انہیں پسندیدہ جماعت قرار دیتا ہے۔'' (اس کے بعد خطیب بغدادی نے متعلقہ آیات واحادیث نقل فرمائیں)

عدالتِ صحابہ کا نکتہ اس بات سے مزید واضح ہوتا ہے کہ تمام کتب حدیث، خواہ وہ صحیح ہوں یا جامع یا سنن یا مسند یا معجم، ایسی روایات پر بھی مشتمل ہیں جنہیں روایت کرنے والے صحابی کا نام مبہم ہے، اہل السنۃ کے نزدیک یہ روایات بھی صحیح اور حجت ہیں (بشرطیکہ ان تک پہنچنے والی سند صحیح ہو) ان روایات میں صحابی کے نام کا مذکور نہ ہونا قطعاً نقصان دہ نہیں ہے؛ کیونکہ مجہول الاسم صحابی، بحکمِ معلوم الاسم ہے۔

واضح ہو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عدالتِ صحابہ کی بابت قول کا معنی یہ نہیں ہے کہ صحابۂ کرام معصوم ہیں؛ کیونکہ اہل السنۃ کے نزدیک عصمت صرف انبیاء ومرسلین کے ساتھ خاص ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''العقیدۃ الواسطیۃ'' (ص:۲۸) میں فرماتے ہیں:

''اہل السنۃ والجماعۃ (جو عدالتِ صحابہ پر متفق ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ) یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ صحابۂ کرام کبائر وصغائر سے معصوم تھے، ان سے فی الجملۃ گناہوں کا ارتکاب ممکن ہے، لیکن ان کے سوابق وفضائل ان کیلئے موجبِ مغفرت ہیں، انہیں گناہوں کی بخشش کے تعلق سے جو مواقع میسر ہیں، وہ بعد میں آنے والوں کیلئے ممکن نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ان کا خیر القرون ہونا ثابت ہے، ان کا مٹھی بھر اناج کا صدقہ، بعد میں آنے والوں کے احد پہاڑ کے برابر سونے کے صدقہ سے افضل ہے۔

پھر صحابہ کرام سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو وہ ان کے توبہ کرنے یا کوئی نیک عمل کر لینے سے مٹ جاتا ہے، اسی طرح وہ گناہ ان کے سبقت الی الاسلام کی فضیلت کی بناء پر بخش دیا جاتا ہے، نیز وہ نبی ﷺ کی شفاعت کے ذریعے بھی اس گناہ کی بخشش کا حق رکھتے ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی

شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق صحابۂ کرام ہی ہیں، اس کے علاوہ ان کا دنیا میں کسی آزمائش میں مبتلا ہونا بھی اس گناہ کا کفارہ بن سکتا ہے۔

یہ سارا معاملہ تو ایسے امور کے ارتکاب پر ہے جن کا گناہ ہونا محقق ہے، تو پھر ایسے امور جن میں صحابۂ کرام نے اجتہاد فرمایا ہو، ان میں وہ یقینی طور پر درست اجتہاد پر دو اجروں اور غلط اجتہاد پر ایک اجر کے مستحق ہیں، اور خطأ معاف ہو جاتی ہے۔

پھر صحابۂ کرام کی سیرت میں قابلِ اعتراض یا قابلِ انکار حصہ، جو بہت تھوڑے صحابہ سے منقول ہے، کی مقدار انتہائی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، بلکہ وہ حصہ بھی صحابہ کرام کے فضائل اور ان کے محاسن، جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول، جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت و نصرت اور علمِ نافع و عملِ صالح کے سامنے دب کے رہ جاتا ہے۔ علم و بصیرت اور انصاف کی نظروں سے صحابۂ کرام کی سیَر و فضائل کا مطالعہ کرنے والا لامحالہ اس علمِ یقین کو پالے گا کہ صحابۂ کرام، انبیاءِ کرام کے بعد خیر الخلق اور افضل الخلق ہیں، ان جیسا نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا، امت محمدیہ ﷺ جسے خیر الأمم ہونے کا شرف حاصل ہے، میں صحابۂ کرام کی حیثیت کریم کی سی ہے ''

اہل السنۃ کا تعدیلِ صحابہ پر مبنی قول جس طرح کتاب و سنت کے نصوص سے منصوص و مستند ہے اسی طرح ان کے ساتھ ان کے حسنِ ظن کا مظہر بھی ہے، اور اس عظیم و مقدس جماعت کے ساتھ یہ حسنِ ظن یقیناً موجب اجر و ثواب ہے۔ جبکہ جو لوگ عدالتِ صحابہ کے قائل نہیں وہ اس مقدس جماعت کے ساتھ بدگمانی کی راہ پر قائم ہیں جو کہ گناہ کو مستوجب و مستلزم ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق اُمت پر کیا واجب ہے

(۵) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دوستی، محبت اور حسنِ ثناء جو ان کے شایانِ شان ہو ضروری ہے، ان کا ذکرِ خیر ہمیشہ انتہائی احسن الفاظ کے ساتھ ہو۔ امام طحاوی ''عقیدۃ اھل السنۃ و الجماعۃ'' میں فرماتے ہیں:

'' ہم اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ محبت کرتے ہیں، ان کی محبت میں افراط وتفریط کا راستہ اختیار نہیں کرتے، نہ ہی کسی صحابی سے اظہارِ برأت کرتے ہیں، اور جو صحابہ کا بغض رکھتا ہے اور ان کا ذکرِ خیر نہیں کرتا ہے، ہم اس سے سخت بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ ہم ہمیشہ صحابۂ کرام کا ذکرِ خیر کرتے ہیں، ان کی محبت دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان کا بغض کفر، نفاق اور طغیان (سرکشی) ہے۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الکفایة'' (ص:۴۹) میں اپنی سند سے ابو زرعة الرازی کا یہ قول نقل فرمایا ہے: [إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق؛ وذلك أن رسول الله ﷺ عندنا حق والقرآن حق، وإنما ادى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ، وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى وهم زنادقة]

ترجمہ: [جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی پر طعنہ زنی کر رہا ہے، تو جان لو کہ وہ زندیق ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن بھی حق ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی حق ہیں، اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہم تک پہنچانے والے صحابۂ کرام ہیں، وہ (زندیق) یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ان گواہوں کو مجروح قرار دیکر قرآن وحدیث کا بطلان ثابت کردیں۔ حالانکہ وہ خود جرح کے مستحق ہیں اور زندیق ہیں]

امام بغوی ''شرح السنۃ'' (۱/۲۲۹) میں فرماتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے:

''من يبغض أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ وكان في قلبه عليه غل فليس له حق في فيئ المسلمين''

ترجمہ: ''جو کسی صحابیؓ کا بغض رکھے اور اس کے دل میں خیانت بھی ہو تو اس کا مسلمانوں کے مالِ فیٔ میں کوئی حصہ نہیں'' (مالِ فیٔ کفار کا وہ مال ہے جو قتال کے بغیر حاصل ہو جائے)

امام مالک اپنے اس قول پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا کرتے تھے:

﴿ مَا أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى ﴾ إلى قوله ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ ...الآية ﴾

ترجمہ: ''بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (فئی کا مال) ان مہاجر مسکینوں کیلئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز ہیں۔ اور (ان کیلئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' (الحشر: ۷ تا ۱۰)

امام مالک کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا، جو اصحابِ رسول ﷺ کی تنقیصِ شان کیا کرتا تھا تو امام مالک نے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ إلى قوله ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع، اور سجدے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے''

پھر فرمایا: جس شخص کے دل میں اصحابِ رسول ﷺ میں سے کسی ایک کا بغض یا حقد ہوگا، اس پر یہ آیتِ کریمہ (مذکورہ آیت) پوری طرح چسپاں ہوگی۔ ''

امام احمد بن حنبل ''کتاب السنۃ'' میں فرماتے ہیں:

'' ومن السنة ذكر محاسن أصحاب رسول الله ﷺ كلهم أجمعين، والكف عن الذى جرى بينهم، فمن سب أصحاب رسول الله ﷺ أو واحدا منهم فهو مبتدع رافضى، حبهم سنة، والدعاء لهم قربة، والاقتداء بهم وسيلة، والأخذ بآثارهم فضيلة''

ترجمہ: ''بلا استثناء تمام صحابۂ کرام کے محاسن کا ذکر کرنا سنت ہے، ان کے مابین رونما ہونے والے بعض مشاجرات وتنازعات سے پہلوتہی ضروری ہے، جو شخص اصحابِ رسول ﷺ کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دیتا ہے وہ بدعتی اور رافضی ہے، ان کی محبت سنت ہے، ان کیلئے دعاء قربتِ الٰہی ہے، ان کی اقتداء ذریعۂ نجات ہے اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی موجبِ فضیلت ہے''

امام احمد بن حنبل مزید فرماتے ہیں:

''کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ اصحابِ رسول ﷺ کو بُرے الفاظ سے یاد کرے، یا کسی صحابی پر طعنہ زنی کرے، اگر کسی نے ایسی حرکت کی تو حاکمِ وقت پر اُسے سزا دینا ضروری ہو جائے گا، اسے معاف کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ اسے سزا دے، اس کی اس حرکت پر توبہ طلب کرے، اگر توبہ کرلے تو معاف کردے، نہ کرے تو پھر سزا دے اور اس وقت تک قید خانے میں بند رکھے جب تک توبہ کرکے رجوع نہ کرلے''

ابنِ ابی حاتم اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' (۱/ ۸۷) میں فرماتے ہیں:

''اصحابِ رسول ﷺ وہ مبارک لوگ ہیں، جنہوں نے وحی اور نزولِ قرآن کا مشاہدہ کیا، اور اس کی تفسیر کی معرفت حاصل کی، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت ونصرت نیز دین کی اقامت اور حق کے اظہار کیلئے چن لیا، نبی ﷺ کی صحبت ورفاقت کے تعلق سے وہ پسندیدہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نشانِ ہدایت اور بعد میں آنے والوں کیلئے قدوۃ اور مثال بنادیا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے وہ سارا دین جو آپ ﷺ نے ان تک پہنچایا لیکر محفوظ کرلیا، نیز جو امور آپ ﷺ نے مسنون ومشروع قرار دیئے، جو فیصلے فرمائے، جن مستحبات، مندوبات، مأمورات، منہیات اور محظورات کا ذکر فرمایا، اور جتنے بھی آداب سکھائے ان سب کو بڑی پختگی اور اتقان کے ساتھ یاد کرلیا۔

چنانچہ وہ دین کے فقیہ بن گئے اور نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کی مسلسل رفاقت اور آپ ﷺ سے تفسیر قرآن اور استنباطِ احکام کے مشاہدہ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے عالم بن گئے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں امت کیلئے مثال اور قدوۃ ہونے کا شرف عطا فرمادیا... (مزید فرماتے ہیں) وہ اس امت کا سرمایہ عدل، ائمہ ہدایت، دین کے دلائل وحجج اور قرآن وحدیث کے حاملین وناقلین بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اپنانے، ان کے منہج پر چلنے اور ان کے راستہ کو اختیار کرنے کو انتہائی ضروری قرار دے دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ:''جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دینگے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بُری جگہ ہے''

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں صحابہ کرام کو مخاطب کر کے اپنا دین پہنچانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ کچھ احادیث میں دین پہنچانے پر دعا دی، جیسا کہ فرمان ہے:[نضر الله امرأ سمع مقالتی فحفظها ووعاها حتی یبلغها غیره]

یعنی:[اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ کردے جو میری حدیث سنے، اسے اچھی طرح یاد کرلے اور دوسروں تک پہنچادے]

آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:[فلیبلغ الشاهد منکم الغائب]یعنی: [جس نے میرا یہ خطبہ سنا وہ ان تک پہنچادے جو نہیں سن سکے]

ایک اور حدیث میں ارشادِ گرامی ہے:

[بلغوا عنی ولو آیةوحدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج]

یعنی:[پہنچادو میری طرف سے خواہ ایک مسئلہ ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں]

اس کے بعد صحابۂ کرام مختلف خطوں، ملکوں اور سرحدوں میں پھیل گئے، یہ پھیل جانا علاقوں کو فتح کرنے، غزوات میں شریک ہونے اور مختلف مقامات پر امارت وقضاء کا منصب سنبھالنے کی بناء پر تھا، جو صحابی جس علاقے میں گیا، اس میں نبی ﷺ سے یاد کیا ہوا تمام علم پھیلا دیا، اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلے صادر فرمائے، نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق امور انجام دیئے، جو سوال

ہوتے ان پر نبی ﷺ کے اس جواب کی روشنی میں فتویٰ دیتے جو آپ ﷺ نے اس مسئلہ کے نظائر پر دیا ہوتا۔ انہوں نے حسنِ نیت کے ساتھ، نیز اللہ عزوجل کے قرب کے حصول کیلئے، اپنے آپ کو لوگوں کی تعلیم و تربیت کیلئے وقف کر دیا، تاکہ انہیں فرائض، احکام، سنن اور حلال و حرام کے علم سے مالا مال کر دیں۔ تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ ان کی موت تک جاری رہا۔ (رضوان اللہ و مغفرته و رحمته علیهم اجمعین)

ابو عثمان الصابونی اپنی کتاب ''عقیدۃ السلف وأصحاب الحدیث'' میں فرماتے ہیں:

''(اہل السنۃ) صحابۂ کرام کے مابین ہونے والے مشاجرات اور منازعات کے حوالے سے خاموشی اور پہلو تہی اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، نیز ہر ایسی چیز کے ذکر سے اپنی زبانوں کو پاک رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں، جو کسی وجہ سے صحابۂ کرام کی شان میں کسی عیب یا نقص کو متضمن ہو (اہل السنۃ) تمام صحابۂ کرام کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضاء کی دعا، نیز تمام صحابہ سے محبت اور دوستی کو فرض قرار دیتے ہیں''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۶۵/۴) میں ابو مظفر السمعانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

'' صحابۂ کرام کی تنقیصِ شان کے درپے ہونا، اس شخص کی ذلت اور گھٹیا پن کی علامت ہے، بلکہ یہ عمل بدعت و ضلالت ہے''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں فرماتے ہیں:

''اہل السنۃ والجماعۃ کے اصول میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق اپنے دلوں اور زبانوں کی حفاظت کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سوچ کے حامل لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ترجمہ: ''اوران کے لئے بھی جوان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' (الحشر:۱۰)

اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی یہی تقاضہ ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے:

[لاتسبوا أصحابی ،فوالذی نفسی بیده لو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذهبا مابلغ مد أحدهم و لانصیفه]

ترجمہ:[میرے صحابہ کو گالیاں مت دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو وہ ان میں سے کسی ایک کے ایک مد یا نصف مد کے خرچ کے برابر ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا]

(شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:) اہل السنۃ والجماعۃ روافض کے طرزِ عمل سے بریٔ ہیں، جو کہ صحابۂ کرام سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں، اسی طرح اہل السنۃ نواصب کے طرزِ عمل سے بھی بریٔ ہیں جو کہ اہلِ بیت کو اپنے قول وعمل سے ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اہل السنۃ مشاجرات صحابہ میں سکوت اختیار کرتے ہیں ان کی لغزشوں سے متعلق مروی آثار کے متعلق اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ بعض آثار تو جھوٹے ہیں بعض میں کمی وبیشی کر کے حقیقت کو مسخ کر دیا گیا ہے البتہ بعض آثار صحیح ہیں۔ ایسی لغزشوں کے متعلق اہل السنۃ صحابہ کو معذور سمجھتے ہیں کیونکہ یہ اجتہادی غلطیاں ہیں اور مجتہد مصیب ہوسکتا ہے اور مخطئ بھی (اور دونوں صورتوں میں اس کیلئے اجر ہے)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیتِ کریمہ ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہاں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین وانصار صحابہ سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے جنہیں قبولِ اسلام میں سبقت وتقدم کا شرف حاصل ہے، نیز اُن تمام سے بھی جو بطریقِ احسن اُن کے نقشِ قدم کے پیروکار بن گئے۔ لیکن افسوس ہے اُن لوگوں پر جو تمام صحابہ یا اُن میں سے بعض کا اپنے سینوں میں بغض رکھتے ہیں، یا انہیں سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ خاص طور پہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کے سردار اور سب سے افضل ہستی، صدیقِ اکبر اور خلیفۂ اعظم، ابوبکر بن ابی قحافہ ؓ، کہ روافض میں سے ایک انتہائی گمراہ ٹولہ ان سے عداوت قائم کئے ہوئے ہے، بلکہ ان کے دل تو تمام صحابۂ کرام کے بغض اور دشنام طرازیوں سے لبریز ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عقول اور قلوب الٹے ہو چکے ہیں، بھلا ان لوگوں کا قرآنِ حکیم پر کیا ایمان رہا، کہ قرآن تو ان سب سے اللہ تعالیٰ کی رضاء کا اعلان کرتا ہے، اور وہ ان سب کو گالیوں سے نوازتے رہتے ہیں۔ لیکن اہل السنۃ کا منہج یہ ہے کہ وہ ان سب سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہو گیا اور ان سب کی تنقیص وتقبید کرتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے موردِ سب وشتم ٹھہرایا، ان سب سے دوستی قائم کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی دوستی قائم ہے، اور ان سب سے عداوت قائم کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت قائم ہے۔ لہذا اہل السنۃ اتباع اور اقتداء کرنے والے ہیں، بدعات کا ارتکاب کرنے والے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فلاح پانے والی جماعت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ایمان والے بندے ہیں ''

ابن ابی العز ''العقیدۃ الطحاویہ'' کی شرح (ص:۴۶۹) میں فرماتے ہیں:

''جن لوگوں کے دل افضل ترین مؤمنین اور انبیاءِ کرام کے بعد تمام اولیاء کے سرداروں کے متعلق خیانت سے بھرے ہوں، ان سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے، اس حوالے سے یہود ونصاریٰ ان پر سبقت لے گئے، چنانچہ یہودیوں سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے؟ وہ جواب دیں گے: اصحابِ موسیٰ ؑ۔ عیسائیوں سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے افضل کون

ہے؟ جواب دیں گے: اصحابِ عیسیٰ علیہ السلام۔ اب روافض سے پوچھو: تمہاری ملت میں سب سے بدترین کون ہے؟ جواب دیتے ہیں: اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ صحابۂ کرام میں سے بہت تھوڑی تعداد کو اپنے بغض وعداوت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اور جنہیں اپنی ناپاک گالیوں کا نشانہ بناتے ہیں اُن میں اُن صحابہ سے کہیں افضل صحابہ موجود ہیں، جن کا استثناء کرتے ہیں''

اس بغض کا اظہار بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے درمیان پیدا ہونے والے ایک رافضی عالم، کاظم الأزری نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے:

أهم خير أمة أخرجت للنا س هيهات ذاک بل اشقاها !!!

ترجمہ: کیا یہ صحابہ امت میں سب سے افضل ہیں؟ یہ بات انتہائی بعید اور ناممکن ہے وہ تو امت کی سب سے بدبخت جماعت ہے (والعیاذ باللہ)

مجھے اس شعر کا علم، استاد محمود الملاح کے اس نقد سے ہوا جو انہوں نے کاظم کے اس قصیدے پر وارد کیا ہے، ان کا یہ نقد ''الرزیه فی القصیدة الازریه '' کے عنوان سے مطبوع ہے۔ اور مذکورہ شعر (ص:۵۱) میں مذکور ہے۔ اس شعر کا مضمون جو خبث وجفاء کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متصادم ومتضاد ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

حافظ ابن حجر اپنی کتاب ''فتح الباری'' (۳۴/۱۳) میں فرماتے ہیں:

''اہل السنۃ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابۂ کرام پر، بسبب ان کے مابین قائم ہونے والی جنگوں کے، طعنہ زنی کرنے سے قطعی طور پر باز رہا جائے، اگرچہ کسی کو یہ بات معلوم بھی ہو جائے کہ ان جنگوں میں حق پر کون تھا؛ کیونکہ صحابۂ کرام نے ان جنگوں میں محض اپنے اجتہاد کی بناء پر قتال کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ اجتہاد میں خطأ کرنے والے کو معاف فرما دیتا ہے، بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ اجتہاد میں مخطئ کو ایک اجر اور مصیب کو دو اجر ملتے ہیں۔''

شیخ یحییٰ بن ابی بکر العامری اپنی کتاب ''الریاض المستطابة فی من له روایة فی

الصحیحین من الصحابة'' (ص:۳۱۱) فرماتے ہیں:

''ہر متدین اور متورع شخص کے لائق ہے کہ وہ مشاجراتِ صحابہ میں چشم پوشی سے کام لے، اور کسی صحابی سے سرزد ہونے والی خطأ کا نہ صرف یہ کہ اعتذار کرے بلکہ اس کیلئے اچھا مخرج تلاش اور بیان کرے، اور جس چیز پر صحابہ کا اجماع ثابت ہو اسے تسلیم وقبول کرلے؛ کیونکہ انہیں احوال کی زیادہ آگاہی حاصل تھی، اور شخصِ حاضر کا علم ومشاہدہ، شخصِ غائب سے زیادہ ہوتا ہے۔ عارفین کا طریقہ، لوگوں کے عیوب ونقائص سے اعتذار ہے، جبکہ منافقین کا طریقہ عیوب کی تلاش اور تشہیر ہے۔ جب عام مسلمانوں کے عیوب پر پردہ پوشی ایک لازمی امر قرار پا چکی، اور یہی منہجِ اسلام ہے، تو پھر اس جماعت کے بارہ میں کیا خیال ہے جو خاتم النبیین کے اصحاب ہیں، اور جن کے حق میں یہ فرمان بھی موجود ہے: [لا تسبوا أحدا من أصحابی] یعنی: [میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه] یعنی: [آدمی کے حسنِ اسلام کی دلیل، اس کا ہر لایعنی امر کو چھوڑ دینا ہے] سلف صالحین کا یہی طریقہ ثابت ہے، اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت اور بربادی کا گڑھا ہے۔

مسلمانوں کے حکام اور علماء کی اطاعت بھی ضروری ہے

۲۷. "والطاعة لأئمة المسلمين من ولاة أمورهم وعلمائهم"

ترجمہ: "اور (اہل السنۃ) مسلمانوں کے حکام اور علماءِ کرام کی اطاعت بھی (ضروری) قرار دیتے ہیں"

شرح

(یہاں بہت سے اہم امور کا ذکر ہے)

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوا اَطِيْـعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء:۵۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی"

اس آیتِ کریمہ میں "اولی الامر" سے مراد علماء وامراء ہیں۔ علماء کی بات سنی جائے اور جو امورِ دین وہ بیان کرتے ہیں، اُن میں ان کی اطاعت کی جائے۔ اسی طرح امراء کی بات بھی سنی جائے اور ان کا جو امر اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ بنتا ہو، میں ان کی اطاعت کی جائے۔

"اولی الامر" سے علماء وامراء دونوں مراد ہونے کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ کثیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں راجح قرار دیا ہے، چنانچہ امام قرطبی نے اس تفسیر کو ابوھریرۃ، ابن عباس رضی اللہ عنھما اور جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جابر بن عبداللہ اور مجاہد کے نزدیک "اولی الامر" سے مراد اہل القرآن والعلم ہیں، امام مالک کے نزدیک بھی یہی راجح ہے، ضحاک سے بھی اسی قسم کی تفسیر منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: اس سے مراد فقہاء اور علماءِ دین ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ، اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: علی بن ابی طلحہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے بیان فرماتے ہیں: "اولی الامر" سے مراد اہل الفقہ والدین ہیں۔ مجاہد، عطاء، حسن

بصری اور ابوالعالیہ نے بھی ''اولی الامر'' سے علماء مراد لئے ہیں۔

علماء کی اطاعت کیلئے درج ذیل آیات سے بھی استدلال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل:۴۳)

ترجمہ: ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کرلو''

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ﴾ (المائدۃ:۶۳)

ترجمہ: ''انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے''

جہاں تک امراء و حکام کی اطاعت کا تعلق ہے تو اس کے وجوب کی دلیل، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: [السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة]

ترجمہ: [ایک مسلمان پر (اپنے حاکم کی) سمع واطاعت پسندیدہ وناپسندیدہ ہر امر میں واجب ہے، جب تک اس کا حکم معصیت پر مشتمل نہ ہو، اور اگر اس کا حکم معصیت ہو تو پھر کوئی سمع واطاعت نہیں ہے] (صحیح بخاری (۷۱۴۴) صحیح مسلم (۱۸۳۹) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [إنما الطاعة في المعروف]

یعنی: [اطاعت تو معروف یعنی نیکی کے کاموں میں ہے] (صحیح بخاری (۷۱۴۵) اور صحیح مسلم (۱۸۴۰) بروایت علی بن ابی طالب ﷺ)

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [عليك السمع والطاعة في عسرك ويسرك، ومنشطك ومكرهك وأثرة عليك]

ترجمہ: [تم پر، تنگی اور آسانی، خوشی اور ناخوشی میں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کے

باوجود، اپنے حاکم کی سمع واطاعت واجب ہے] (صحیح مسلم (۱۸۳۶) بروایت ابوھریرۃ ﷺ)

صحیح مسلم (۱۸۳۷) میں ابوذر غفاری ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

میرے خلیل (ﷺ) نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ [میں اپنے حاکم کی سمع واطاعت کروں، خواہ وہ ہاتھ پاؤں کٹا غلام ہی کیوں نہ ہو۔]

سہل بن عبداللہ التستری فرماتے ہیں: ''لوگ اس وقت تک خیر پر قائم رہیں گے جب تک اپنے حاکم اور علماء کی تعظیم کرتے رہیں گے، جب ان دونوں کی تعظیم کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا اور آخرت سنوار دے گا، اور جب ان دونوں کا استخفاف اور تنقیصِ شان کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا وآخرت دونوں کو بگاڑ دے گا'' (تفسیر قرطبی (۲۶۰/۵)

(۲) منصبِ امارت یا حکومت پر فائز و متمکن ہونا، مندرجہ ذیل چار امور میں سے کسی ایک امر سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

''الف'': رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نصاً کسی کے نام کا تعین ہو جائے، تو وہ شخص آپ ﷺ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت اسی طریق سے حاصل وثابت ہوئی۔ لیکن صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، آپ کے بعد خلیفہ کے تعین کے سلسلہ میں خاص نص وارد نہیں ہے، نہ ابوبکر صدیق ﷺ کیلئے، اور نہ کسی اور کیلئے۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب ﷺ سے جب ان کے مرض الموت میں، ان کے بعد خلیفہ کے تعین کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ''ان استخلف فقد أستخلف من هو خير منى: ابوبكر ، وإن أترك فقد ترك من هو خير منى :رسول الله ﷺ ''

یعنی: ''اگر میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کا تعین کردوں تو مجھ سے بہتر شخصیت، ابوبکر صدیق ﷺ نے تعین فرمایا تھا، اور اگر تعین نہ کروں تو مجھ سے بہتر ہستی، رسول اللہ ﷺ نے تعین نہیں فرمایا تھا۔'' (صحیح بخاری (۷۲۱۸) صحیح مسلم (۱۸۲۳) (تو گویا جنابِ عمر ﷺ کے اس قول سے

صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کا تعین نہیں فرمایا تھا)

لیکن رسول اللہ ﷺ سے بہت سے ایسے نصوص وارد اور ثابت ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر صدیق ﷺ ہی تھے۔ مثلاً: رسول اللہ ﷺ کا اپنے مرض الموت میں ابوبکر صدیق ﷺ کو نماز کی امامت کیلئے آگے کرنا (اور پھر نبی ﷺ جتنے دن زندہ رہے، انہی کا امامت کراتے رہنا)

اس سلسلہ میں سب سے واضح نص صحیح بخاری (۵۶۶۶) اور صحیح مسلم (۲۳۸۷) میں مروی ہے (اور یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

عن عائشة رضی الله عنها قالت :قال لی رسول الله ﷺ فی مرضه :[ادعی لی ابا بکر وأخاک حتی أکتب کتابا، فإنی أخاف أن یتمنی متمن ویقول قائل: أنا اولی ، ویابی الله والمؤمنون إلا ابابکر]

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں فرمایا: [ابوبکر کو، اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تا کہ میں ایک خط لکھوں؛ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کوئی تمنا کرنے والا تمنا کر بیٹھے اور کہے: میں (تولیت امر کا) سب سے زیادہ مستحق ہوں، اللہ تعالیٰ اور تمام مؤمنین، ابوبکر صدیق کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔]

''ب'' دوسرا طریق جس سے خلیفہ یا امیر کا تعین ہوتا ہے وہ اہلِ حل وعقد کا اتفاق ہے، اس کی دلیل، رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام کا ابوبکر صدیق ﷺ کو بالاتفاق خلیفہ چن لینا ہے، صحابۂ کرام کا یہ اتفاق، ان دلائل اور نصوص کی بناء پر بھی تھا جو ابوبکر صدیق ﷺ کے اَحق بالخلافۃ ہونے پر دال تھے، جن میں سے بعض نصوص کی طرف اشارہ گزر چکا۔

''ج'' تیسرا طریق یہ ہے کہ خلیفۂ وقت اپنے بعد آنے والے خلیفہ کا خود تقرر کر دے جیسا کہ ابوبکر صدیق ﷺ نے، عمر بن خطاب ﷺ کا بطورِ خلیفہ تعین فرما دیا تھا، نیز جناب عمر ﷺ کا مذکورہ اثر

بھی دلیل بن سکتا ہے۔

''د'' چوتھا طریق یہ ہے کہ کوئی شخص قہر وطاقت سے اقتدار پر غالب آجائے، اور اس کا معاملہ رعیت میں استقرار پکڑ لے، جیسا کہ ابو العباس السفاح نے، بنو اُمیہ سے خلافت چھین کر اقتدار پر قبضہ اور غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

یہ چاروں امور، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قولہ تعالیٰ ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ کے تحت ذکر فرمائے ہیں۔

ہمارے استاد، شیخ محمد الأمین الشنقیطی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اضواء البیان'' میں اسی آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''امام قرطبی فرماتے ہیں: جس شخص میں امامت وامارت کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو، اور وہ قہر وغلبہ سے اسے حاصل کر لے تو اسے حصولِ اقتدار کی چوتھی شکل کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کوئی شخص امامت کا اہل ہو اور وہ ہمارے ملک کے اقتدار پر غالب آجائے تو ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ فرمایا: اسے قبول کر لو، اور وہ تم سے اپنے جس حق کا مطالبہ کرے اسے ادا کرو، اس کے کسی اچھے فعل کا انکار نہ کرو، اور نہ ہی اس سے فرار اختیار کرو، اگر وہ کسی امرِ دین کا تمہیں رازدان بنائے تو اس کا راز کبھی افشاء نہ کرو۔

ابنِ خویز منداد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص، لوگوں کے مشورہ اور چناؤ کے بغیر اقتدار پر قابض ہو جائے، اور وہ اقتدار کا اہل ہو، اور لوگ اس کی بیعت کر لیں تو وہ بیعت صحیح اور مکمل شمار ہوگی (واللہ اعلم)''

امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح (۲۳۴/۱۲) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

''أطعه في طاعة الله، واعصه في معصية الله'' یعنی: ''اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں امیر کی اطاعت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں امیر کی نافرمانی کرو'' امام نووی اس قول کے تحت فرماتے

ہیں: یہ قول اس امیر کی اطاعت کے واجب ہونے کی بھی دلیل ہے جو کسی اتفاق یا تعین کے بغیر قہراً اقتدار پر قابض ہو جائے۔

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱۳/۱۲۲) میں فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص بزورِ طاقت، حقیقۃً، اقتدار پر غلبہ حاصل کر لے تو فتنہ کی آگ بجھانے کیلئے اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی، بشرطیکہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے ''اعتقاد'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص مسلمانوں کے امام یا سربراہ پر بغاوت یا خروج اختیار کرتا ہے، حالانکہ لوگ اس کی امامت پر مجتمع ہو چکے ہیں اور اس کی خلافت کا اقرار کر چکے ہیں، وہ امامت جیسے بھی حاصل ہوئی ہو، خواہ ارباب حل وعقد کی رضا سے یا قہر وغلبہ سے، تو اس بغاوت کرنے والے نے مسلمانوں کی جماعت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی، نیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت آثار واحادیث کی مخالفت کی، یہ شخص اگر اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱۳/۷) میں حدیثِ رسول ﷺ: [جو اپنے امیر کی کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس پر صبر کرے؛ کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو جائے پھر اسی حال میں مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی ہوگی] کے تحت فرماتے ہیں:

''ابنِ بطال فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر حجت ہے کہ بادشاہ، خواہ ظلم ہی کیوں نہ کرے، پر خروج ناجائز ہے، فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زبردستی اقتدار پر غلبہ حاصل کرنے والے حاکم کی اطاعت اور اس کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرنا واجب ہے، اس کی اطاعت کرنا، اس پر بغاوت کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ بغاوت میں لوگوں کے قتل وغارت گری کا بہت امکان ہوتا ہے۔ ان کی دلیل حدیثِ مذکور اور دیگر بہت سی احادیث ہیں۔ فقہاء نے صرف ایک ہی استثنائی صورت ذکر کی ہے، اور وہ یہ کہ بادشاہ سے کسی صریح کفر کا ارتکاب ثابت ہو جائے، ایسی صورت

میں اس کی اطاعت جائز نہیں ہوگی، بلکہ اگر قدرت ہو تو اس کے خلاف جہاد واجب ہو جائے گا، جیسا کہ اس سے بعد والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ وہ بعد والی حدیث، عبادۃ بن صامت ﷺ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں: [ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ولی امر کی ہر پسند و ناپسند میں اور ہر تنگی و آسانی میں اور دوسروں کے ہم پر ترجیح دینے کے باوجود، سمع واطاعت کرتے رہنے پر بیعت کی اور یہ کہ ہم اپنے صاحب امر سے (بسلسلۂ اقتدار) جھگڑا مول نہ لیں، إلا یہ کہ تم ان کا کسی صریح کفر کا مرتکب ہونا کہ جس کے کفر پر تمہارے پاس واضح برہان ہو، دیکھ لو]

حکام کے ساتھ خیر خواہی

(۳) حکام کا رعیت پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کریں، خیر خواہی کی بہت سی صورتیں ہیں: (۱) معروف یعنی نیکی کے کاموں میں ان کی سمع واطاعت (۲) ان کیلئے سداد واستقامت کی دعا (۳) ان پر خروج یعنی بغاوت سے یکسر گریز کرنا، خواہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

اس خیر خواہی کے بہت سے ادلہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [الدین النصیحة ، قلنا :لمن ؟ قال : لله ولکتابه ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم]

یعنی: [دین تو خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کیلئے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کیلئے، اسکی کتاب کیلئے، اسکے رسول کیلئے، مسلمانوں کے أئمہ وحکام کیلئے، اور عامۃ الناس کیلئے] (صحیح مسلم (۹۵)

مؤطا امام مالک (۲/۹۹۰) میں سہیل بن ابی صالح اپنے والد ابو صالح، اور وہ ابو ھریرۃ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [إن الله یرضی لکم ثلاثا، ویسخط لکم ثلاثا ، یرضی لکم أن تعبدوه ولاتشرکوا به شیئا ، وأن تعتصموا

بحبل الله جميعا ، وأن تناصحوا من ولاه اللهأمركم ، ويسخط لكم قيل وقال، واضاعة المال ، وكثرة السؤال]

یعنی:[بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزیں پسند فرماتا ہے، اور تین ناپسند۔ جو چیزیں پسند فرماتا ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور یہ کہ تم سب ملکر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں تمہارے امور کا نگران اور حاکم مقرر فرمایا ہے، ان کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی اور ناراضگی کا باعث ہیں وہ: قیل وقال، مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا ہیں۔] اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند (۸۷۹۹) میں روایت فرمایا ہے، اور یہ صحیح حدیث ہے۔

مسند احمد (۲۱۵۹۰) میں، بسندِ صحیح، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:[ثلاث لايغل عليهن قلب مسلم أبدا :إخلاص العمل لله ، ومناصحة ولاة الأمر ، ولزوم الجماعة ، فإن دعوتهم تحيط من ورائهم]

ترجمہ:[تین خصلتیں ایسی ہیں جن پر کسی مسلمان کا دل فریب خوردہ نہیں ہوسکتا، ایک اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاصِ عمل، دوسری حکام کے ساتھ خیر خواہی، تیسری جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا،...

حافظ ابن القیم، ''مفتاح دار السعادة ''(ص:۷۹) میں مذکورہ حدیث کے ٹکڑے[لايغل عليهن قلب مسلم] کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی جب تک مسلمان کے دل میں یہ تین چیزیں باقی اور موجود ہیں، تب تک اس کا دل غِل یعنی دھوکا، فریب، ہر قسم کے فساد اور میل کچیل سے پاک ہوگا۔

پھر مزید فرماتے ہیں: حکام کے ساتھ خیر خواہی بھی فریب خوردگی کے منافی ہے؛ کیونکہ خیر خواہی اور فریب اکٹھے نہیں ہوسکتے، بلکہ خیر خواہی، فریب کی ضد ہے، جو ائمہ اور اُمت کا خیر خواہ ہوگا وہ ہر قسم کے فریب سے پاک ہوگیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان:[ولزوم جماعتهم] یعنی

مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا، بھی دل کو دھوکے سے پاک کرتا ہے؛ کیونکہ جب تک ایک شخص بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ چمٹا رہے گا، تب تک وہ ان کیلئے وہی کچھ پسند کرے گا یا ناپسند کرے گا، جو اپنے لئے پسند یا ناپسند کرے گا، اور تب تک جو چیز اس کیلئے خوشی یا تکلیف کا موجب ہوگی، اسی چیز کو ان کیلئے بھی خوشی یا تکلیف کی موجب تصور کرے گا۔''

امام نووی شرح مسلم (۲/ ۳۸) میں فرماتے ہیں:

''مسلمان حکام کے ساتھ خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ امورِ حق پر ان کی معاونت اور اطاعت کرے، نیز انتہائی نرم خوئی اور لطف ومحبت کے ساتھ انہیں حق کی تلقین وتبلیغ کرتا رہے، اگر حکام کی طرف سے مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی یا غفلت کا ارتکاب دیکھے تو ان پر تنقید کا طوفان بپا کرنے کے بجائے انہیں اچھے طریقے سے باخبر کرے۔ ان پر خروج یعنی بغاوت سے یکسر گریز کرے، عامۃ الناس کو بھی ان کی اطاعت کی ترغیب دے۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکام کے ساتھ خیر خواہی کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھے، ان کے ساتھ ملکر جہاد کرے، اپنے صدقات اُنہی کو ادا کرے، اور اگر ان سے ظلم یا بد معاملگی ظاہر ہو تو ان سے بغاوت کی راہ اختیار نہ کرے، ان کی جھوٹی تعریفیں کر کے انہیں دھوکے میں نہ رکھے، اور ان کی رشد وصلاح کی دعائیں کرتا رہے۔''

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱/ ۱۳۸) میں فرماتے ہیں:

''أئمۃ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کاندھوں پر جو بارِ سلطنت ڈال دیا گیا ہے، اس پر ان کی اعانت کرے، بصورتِ غفلت انہیں آگاہی دے کر بیدار کرے، کسی کوتاہی یا غلطی کی صورت میں ان کی اصلاح کردے، ان پر رعیت کا شیرازہ بکھیرنے کی بجائے مجتمع رکھے، جو دل حکام سے متنفر ہوں ان کی اصلاح کر کے انہیں حکام کے قریب کردے۔

سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں ارتکابِ ظلم سے، بطریقِ احسن باز رکھے۔

أئمۃ المسلمین کے زمرے میں، ائمۂ اجتہاد (علماء وقضاۃ) بھی آتے ہیں، جن کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے علوم کو پھیلایا جائے، ان کی مناقب (اچھائیاں) عام کی جائیں اوران کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھا جائے۔''

واضح ہو کہ حکام کے ساتھ، بلکہ ہر کسی کے ساتھ خیر خواہی تنہائی میں، انتہائی رفق اور نرم خوئی کے ساتھ ہونی چاہئے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا موسیٰ اور ھارون علیھما السلام سے یہ فرمانا ہے:

﴿ اِذْهَبَا إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى. فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْيَخْشٰى ﴾

ترجمہ: ''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے'' (طہٰ:۴۳،۴۴)

عن عائشة رضی اللہ عنھا عن النبی ﷺ قال: [إن الرفق لایکون فی شیٔ إلا زانہ، ولاینزع من شیٔ إلا شانہ] یعنی: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رفق یعنی نرمی جس چیز میں آجائے اسے خوبصورت کر دیتی ہے، اور جس چیز سے چھین لی جائے اسے بدصورت کر دیتی ہے] (صحیح مسلم (۲۵۹۴)

صحیح بخاری (۳۲۶۷) اور صحیح مسلم (۲۹۸۹) میں، ابووائل شقیق بن سلمۃ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اسامہ سے کہا گیا: [آپ امیر المؤمنین عثمانِ غنی ﷺ پر داخل ہو کر ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ میں ان سے بات کروں تا کہ تم سنو؟ واللہ! میں نے ان سے تنہائی میں بات کی ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی روش شروع کروں، جس کا شروع کرنا میرے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ الحدیث] (یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱۳/۵۱) میں اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسامہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے وہ میں امیر المؤمنین سے تنہائی میں کر چکا ہوں؛ کیونکہ مصلحت اور ادب کا یہی تقاضہ ہے، میں نہیں چاہتا کہ

میری بات کسی فتنہ کا سبب بن جائے ''

عن عياض بن غنم رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال: [من أراد أن ينصح السلطان بأمر فلايبدله علانية ولكن ليأخذ بيده فيخلوبه، فإن قبل منه فذاک، وإلا كان قد أدى الذى عليه له]

ترجمہ:[جس شخص کا بادشاہِ وقت کو کوئی نصیحت کرنے کا ارادہ ہو تو وہ علی الاعلان اس کا اظہار نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے تنہائی میں لے جائے (اور وہ نصیحت پیش کردے) اگر وہ اسے قبول کرلے تو بہت بہتر ہے، ورنہ اس نے اپنا فریضہ ادا کردیا](مسند احمد (۱۵۳۳۳) مستدرک حاکم (۲۹۰/۳) کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۰۹۶تا ۱۰۹۸) شیخ البانی اس کی تخریج (۵۲۳/۲) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث اپنے طرق کے مجموعہ کی بناء پر صحیح ہے۔)

اگر حاکم کو نصیحت کرنا، رفق ولین (نرمی) سے خالی ہو، اور وہ اعلانیہ بھی ہو، تو وہ فائدہ مند ہونے کی بجائے نقصان دہ ہوگی۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جب اس میں کوئی عیب ہو تو اسے نرمی سے تنہائی میں نصیحت کی جائے، تو پھر اسے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہئے جو وہ اپنے بارہ میں چاہتا ہے (اور خصوصاً حکام اس سلوک کے زیادہ مستحق ہیں)

صحیح مسلم (۱۸۴۴) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں:[جو شخص جہنم سے بچاؤ اور جنت کا داخلہ چاہتا ہے تو اس کی موت اس طرح آنی چاہئے کہ اس کا اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہ سلوک اور معاملہ کرے جو اپنے بارہ میں چاہتا ہے]

حکام کی اطاعت معروف میں ہے معصیت میں نہیں

(۴) حکام کے ساتھ خیر خواہی میں یہ انتہائی اہم نکتہ شامل ہے کہ امرِ معروف میں ان کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ کسی معصیت کا حکم دیں تو ان کی سمع واطاعت سے گریز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ (النساء:۵۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی''

حکام کی سمع واطاعت پر بے شمار احادیث مروی ہیں، جن میں سے عبداللہ بن عمر، ابوھریرۃ، ابوذر غفاری اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنھم کی احادیث اسی بحث میں گزر چکی ہیں۔

سنن نسائی (۴۱۶۸) میں صحیح سند کے ساتھ، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

[بايعت النبي ﷺ على السمع والطاعة وأن أنصح لكل مسلم] یعنی: [میں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر حکام کی سمع واطاعت کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہنے کی بیعت کی ہے]

صحیح مسلم (۱۸۴۷) میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں، رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں: [تسمع وتطيع للأمير، وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك، فاسمع وأطع]

یعنی: [امیر کی سمع واطاعت کرو، اور اگر وہ تمہاری پشت پر کوڑے مارتا ہو اور تمہارے مال کی زکوٰۃ وصول کرتا ہو تو ضرور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو]

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: [من أطاعني فقد أطاع الله، ومن يعصني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني]

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور جو اپنے امیر کی اطاعت کرتا ہے، اس نے میری اطاعت کی، اور جو اپنے امیر کی نافرمانی کرتا ہے اس

نے میری نافرمانی کی] (صحیح بخاری (۷۱۳۷) صحیح مسلم (۱۸۳۵) یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

صحیح مسلم (۱۸۴۶) میں وائل بن حجر ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: سلمۃ بن یزید الجعفی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنے حقوق کا تو تقاضہ کریں، مگر ہمیں ہمارے حقوق سے منع کر دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [سنو اور اطاعت کرو، ان پر ان کی ذمہ داریاں ہیں اور تم پر تمہاری ذمہ داریاں ہیں]

تفسیرِ قرطبی (۵/ ۲۵۹) میں ہے: ''سھل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حاکمِ وقت، کسی عالم کو فتویٰ دینے سے روک دے، تو اسے فتویٰ دینا جائز نہیں ہوگا، اور اگر وہ فتویٰ دے گا تو نافرمان قرار پائے گا، خواہ وہ حاکم ظالم ہی کیوں نہ ہو''

اس کی دلیل عوف بن مالک الاشجعی ﷺ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لا یقص إلا أمیر أو مأمور أو مختال] یعنی: [تقریر یا تو حاکم کرتا ہے، یا حاکم کا مأمور، یا پھر متکبر]

(مسند احمد (۲۴۰۰۵) ابوداؤد (۳۶۶۵) یہ حدیث اپنے جملہ طرق کے ساتھ صحیح ہے، شیخ البانی کی مشکوۃ کی حدیث (۲۴۰) پر تعلیق ملاحظہ ہو)

ابوموسیٰ اشعری ﷺ، حجِ تمتع کا فتویٰ دیتے تھے، انہیں یہ خبر پہنچی کے امیر المؤمنین عمر بن خطاب ﷺ نے حجِ افراد کا حکم ارشاد فرمایا ہے، تو انہوں نے لوگوں سے کہا: [ہم نے جسے حجِ تمتع کا فتویٰ دیا ہے وہ رُک جائے؛ کیونکہ امیر المؤمنین تشریف لانے والے ہیں، انہی کے حکم کی اقتداء کرنا]

(صحیح مسلم (۱۲۲۱)

السنن الکبریٰ للبیھقی (۳/۱۴۴) میں ہے، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: [ہم عبداللہ بن مسعود ﷺ کے ساتھ، میدانِ منیٰ میں تھے جب وہ (ابنِ مسعود) منیٰ کی مسجد میں داخل ہوئے تو پوچھا: امیر المؤمنین نے کتنی رکعت پڑھی ہیں؟ لوگوں نے کہا: چار رکعت، تو عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بھی چار رکعت پڑھیں۔ ہم نے عرض کیا: آپ ہی تو حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے میدانِ منیٰ میں دو رکعت پڑھیں (یعنی نماز قصر کی)؟ نیز ابوبکر صدیق ﷺ نے بھی دو رکعت پڑھیں؟

فرمایا: کیوں نہیں، یہ حدیث میں اب بھی بیان کرتا ہوں، لیکن چونکہ عثمانِ غنی ﷺ ہمارے امیر ہیں، مجھے ان کی مخالفت گوارہ نہیں؛ اور اختلاف تو انتہائی بُری چیز ہے]

یہ حدیث ابوداؤد (۱۹۶۰) میں بھی ہے، بیہقی (۱۴۳/۳) نے اسے اپنی سند سے روایت کیا ہے مگر اس میں ایک مبہم راوی ہے، بیہقی ایک اور سند بھی لائے ہیں، اس میں بھی ایک مبہم راوی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں]

سفر میں پوری نماز پڑھنا اگرچہ خلافِ اَولیٰ ہے، مگر ابنِ مسعود ﷺ نے امیر المؤمنین کی مخالفت ترک کرنے کو بہتر سمجھا اور پوری نماز پڑھی۔

صحیح بخاری (۹۵۶) اور صحیح مسلم (۸۸۹) میں، مروان کا عید کے دن، نماز سے قبل خطبہ دینے اور ابوسعید الخدری ﷺ کے انکار کرنے کا قصہ مذکور ہے۔ اس کے تحت حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۴۵۰/۲) میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ایک عالم کا خلافِ اَولیٰ مسئلہ پر عمل کرنا جائز ہے، اس وقت جب حاکم اَولیٰ مسئلہ پر موافقت نہ کرے؛ کیونکہ ابوسعید الخدری ﷺ اس انکار کے بعد میدانِ عید سے واپس نہیں گئے بلکہ امیر کے ساتھ خطبہ اور نماز ادا کی۔ جس سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے کہ عید کے دن ابتداء بالصلاۃ، صحتِ نماز کیلئے شرط نہیں ہے (واللہ اعلم)

حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ، ''جامع العلوم والحکم'' (۱۱۷/۲) میں فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے حکام کی سمع واطاعت، سعادتِ دنیا کی موجب ہے، اس سمع واطاعت کے ساتھ بندوں کی معیشت کی مصلحتوں کا منظم ہونا وابستہ ہے، اور اسی سے پروردگار کی اطاعت کے اظہار پر مدد ملتی ہے۔''

حکام کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا

(۵) حکام کے ساتھ خیر خواہی کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ ان کی استقامت وسداد کیلئے دعا کی جائے، اور بددعا نہ کی جائے، اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی طریقہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''السیاسة الشرعیة'' (ص:۱۲۹) میں فرماتے ہیں:

''اسی لئے سلف صالحین، مثلاً: فضیل بن عیاض اور احمد بن حنبل وغیرہ فرمایا کرتے تھے: ''لو کان لنا دعوة مجابة لدعونا بها للسلطان ''یعنی: اگر ہمیں کسی دعا کے قبول ہونے کا علم ہوجائے تو وہ دعا ہم بادشاہِ وقت کیلئے کریں گے۔

شیخ ابومحمد الحسن البربھاری اپنی کتاب ''شرح السنة'' (ص:۱۱۶) میں فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو بادشاہ پر بددعا کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ شخص بدعتی ہے، اور جب تم کسی شخص کو بادشاہ کی درستگی واصلاح کی دعا کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ ان شاء اللہ صاحبِ سنت ہے، فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے: اگر میرے پاس کوئی دعاءِ مستجاب ہو تو میں وہ دعا صرف حاکمِ وقت کو دونگا۔ (امام بربھاری، فضیل بن عیاض کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) کسی نے ان سے کہا: اے ابوعلی! اپنے اس قول کی وضاحت کرو، فرمایا: وہ دعاءِ مستجاب اگر میں اپنے لئے مانگوں گا تو اس کا اثر میری ذات تک محدود رہے گا، آگے نہیں بڑھے گا، اور اگر وہ دعا حاکم کو دونگا تو اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کی اصلاح سے لوگوں اور شہروں کی اصلاح ہوگی، تو ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم حکام کی اصلاح کی دعا کریں، یہ حکم نہیں کہ ان پر بددعا کریں، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ ان کا ظلم وجور ان کی ذات پر ہے، اور ان کی اصلاح ان کی ذات اور تمام مسلمانوں کی اصلاح ہے''

امام طحاوی ''عقیدة اهل السنة والجماعة'' میں فرماتے ہیں:

''ہم اپنے ائمہ اور ولاۃِ امور، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، پر خروج وبغاوت جائز نہیں سمجھتے،

نہ ہم ان پر بددعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں، ان کی اطاعت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے، شرعی فریضہ قرار دیتے ہیں، جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں، ان کیلئے ہمیشہ اصلاح وعافیت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں''

(شرح العقيدة الطحاوية لابن ابی العز (۵۴۰)

شیخ ابواسمٰعیل الصابونی اپنی کتاب ''عقيدة السلف أصحاب الحديث ''(ص:۹۲تا ۹۳)میں فرماتے ہیں:

''اصحاب الحدیث ہر مسلم حکمران، خواہ وہ نیک ہوں یا فاجر، کے پیچھے، جمعہ، عیدین اور دیگر نمازیں ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، نیز ان کے ظلم وجور اور فسق وفجور کے باوجود ان کے ساتھ ملکر کفار سے جہاد ضروری قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کیلئے اصلاح، توفیق، استقامت اور رعیت میں عدل وانصاف عام کرنے کی دعائیں مانگتے رہنے کی تلقین کرتے ہیں''

(۶) حکام سے اگر کسی قسم کے ظلم یا گناہ کا ارتکاب ثابت ہوجائے تو ان پر خروج یا بغاوت جائز نہیں؛ کیونکہ بغاوت پر جو بے انتہاء فتنہ وفساد مرتب ہوسکتا ہے وہ حکام کے ظلم یا معصیت سے کہیں زیادہ ہوگا، الا یہ کہ وہ کسی واضح اور کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کر بیٹھیں۔اس مؤقف پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سلف صالحین کا عمل، بطورِ دلیل موجود ہے۔

صحیح بخاری (۷۰۵۵) اور صحیح مسلم (۱۷۰۹) میں، عبادۃ بن صامت ؓ کی یہ حدیث موجود ہے، فرماتے ہیں:

[بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهناوعسرنا ويسرنا ، وأثرة علينا، وأن لا ننازع الأمر أهله ،إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان]

ترجمہ:[ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اپنے ولی امر کی ہر پسند وناپسند میں اور ہر تنگی

وآسانی میں اور دوسروں کے ہم پر ترجیح دینے کے باوجود، سمع واطاعت کرتے رہنے پر بیعت کی ہے اور یہ کہ ہم اپنے صاحب امر سے (بسلسلۂ اقتدار) جھگڑا مول نہ لیں، اِلا یہ کہ تم ان کا کسی صریح کفر کا مرتکب ہونا کہ جس کے کفر پر تمہارے پاس واضح برہان ہو، دیکھ لو]

عن عوف بن مالک الأشجعی ﷺ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: [خیار کم أئمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم، وتصلون علیهم ویصلون علیکم، وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم، وتلعنونهم ویلعنونکم ، قالوا: قلنا: یارسول اللہ! أ فلا ننابذ هم عند ذلک؟ قال: لا! ماأقاموا فیکم الصلاۃ، لا! ماأقاموافیکم الصلاۃ، ألا من ولی علیه وال، فرآه یأتی شیئا من معصیة ،فلیکره مایأتی من معصیة اللہ، ولایترعن یدا من طاعة]

ترجمہ: عوف بن مالک الأشجعی ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم انہیں دعائیں دو اور وہ تمہیں دعائیں دیں، جبکہ بدترین حکمران وہ ہیں، جن سے تم بغض وعداوت رکھو اور وہ تم سے بغض وعداوت رکھیں، تم ان پر لعنتیں برساؤ اور وہ تم پر لعنتیں برسائیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر ہم ایسے حکمران پائیں تو ان سے اپنا اطاعت کا ہاتھ کھینچ نہ لیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک نماز قائم کرتے ہوں۔ نہیں، جب تک نماز قائم کرتے ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا: جس شخص پر کوئی حاکم مقرر ہو، اور وہ اس کے اندر کسی گناہ کا ارتکاب دیکھتا ہو تو اس گناہ سے نفرت کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے] (صحیح مسلم (۱۸۵۵)

عن أم سلمة رضی اللہ عنها عن النبی ﷺ أنه قال: [إنه یستعمل علیکم أمراء، فتعرفون وتنکرون، فمن کره فقد برئ ، ومن أنکر فقد سلم ، ولکن من رضی وتابع ، قالوا: یارسول اللہ !ألا نقاتلهم؟ قال: لا ما صلوا]

ترجمہ: اُمِ سلمۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: [عنقریب تم پر ایسے امراء وحکام مقرر ہونگے جن کے کچھ امور کو تم (شریعت کی موافقت کی وجہ سے) پہچانتے ہوگے، جبکہ کچھ امور کا (عدمِ موافقت کی وجہ سے) انکار کرتے ہوگے، جس نے قابلِ انکار امور کو ناپسند کیا وہ بری ہوگیا، اور جس نے انکار کردیا اس نے سلامتی پالی، لیکن جو ان امور پر راضی ہوگیا اور متابعت بھی کرلی (وہ بربادی کی راہ پر چل نکلا) صحابہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ایسے حکام سے قتال نہ کریں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں] (صحیح مسلم (۱۸۵۴)

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: من رأی من أمیره شیئا یکرهه فلیصبر علیه، فإنه من فارق الجماعة شبرا فمات إلا مات میتة جاهلیة]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو وہ اس پر صبر کرے؛ کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھر جماعت سے جدا ہوا اور مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی]

(صحیح بخاری (۷۰۵۴) اور صحیح مسلم (۱۸۴۹)

حافظ ابنِ حجر فتح الباری (۱۳/ ۷) میں فرماتے ہیں:

''ابنِ ابی جمرۃ فرماتے ہیں: اس حدیث میں جماعت سے مفارقت یعنی جدائی سے مراد یہ ہے کہ امیر کو جو عقدِ بیعت حاصل ہے اس کی گرہ کھولنے کی کوشش کرے، خواہ وہ کوشش کتنی ہی معمولی ہی کیوں نہ ہو، اس معمولی کوشش کی مقدار کو ''شبر'' یعنی بالشت کی تعبیر سے واضح فرمایا؛ کیونکہ اس کوشش کا نتیجہ، ناحق خون ریزی کے سوا کچھ نہیں''

امام احمد اپنے ''الاعتقاد'' میں فرماتے ہیں:

''کسی شخص کیلئے بادشاہ سے قتال کرنا یا اس پر خروج وبغاوت اختیار کرنا حلال نہیں ہے، جس شخص نے ایسا کیا وہ سنت وہدایت کے راستے سے بھٹک کر بدعتی بن جائے گا''

(السنة للالکائی (۱/ ۱۶۱)

ابھی ابھی امام طحاوی کا قول گزرا ہے، (افادیت کیلئے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:)

''ہم اپنے ائمہ اور ولاۃ امور، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، پر خروج و بغاوت جائز نہیں سمجھتے، نہ ہم ان پر بددعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں، ان کی اطاعت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے، شرعی فریضہ قرار دیتے ہیں، جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں، ان کیلئے ہمیشہ اصلاح و عافیت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں''

امام صابونی ''عقیدة السلف أصحاب الحدیث'' (ص:۹۳) میں فرماتے ہیں:

''(أھل السنۃ) حکام پر خروج بالسیف جائز قرار نہیں دیتے، خواہ وہ انہیں راہِ عدل سے انحراف اختیار کر کے، ظلم و ستم کی راہ پر مائل کیوں نہ دیکھیں''

شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر دو ضرر مساط ہوں تو ان میں سے ہلکے ضرر کا ارتکاب کیا جائے تا کہ بڑے ضرر سے بچ سکیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' (۳/۱۵) میں فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کیلئے برائی کے انکار کے واجب ہونے کو مشروع قرار دیا ہے؛ تا کہ برائی کے انکار سے، اس کی جگہ وہ نیکی آجائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے، لیکن جب کسی برائی کا انکار، اس سے بڑی برائی کو مستلزم ہو، جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کو زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ ہو، تو پھر اس چھوٹی برائی کا انکار جائز نہیں ہوگا، اگر چہ وہ چھوٹی برائی بھی اللہ تعالیٰ کے بغض اور ناراضگی کا باعث ہو۔ اس کی مثال حکام و ملوک پر انکار، خروج اور بغاوت سے دی جاسکتی ہے (اگر چہ ان حکام کا باقی رہنا ایک برائی ہوسکتا ہے) لیکن ان پر بغاوت کا راستہ اختیار کرنے سے، ایک ایسی اس سے بھی بڑی برائی جنم لے سکتی ہے جو قیامت تک ہر شر اور فتنہ کی بنیاد بن سکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے: ''تکون امور مشتبھات، فعلیکم

بالتؤدة؛ فإن أحدكم أن يكون تابعا في الخير خير من أن يكون رأسا في الشر"

یعنی: "بہت سے ایسے امور ہونگے جو تم پر مشتبہ ہونگے، ان امور کے تعلق سے تم تحمل، بردباری اور دھیما پن اختیار کرو؛ کیونکہ تم اگر خیر میں تابعدار بن کر رہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم شر میں لیڈر بن کر رہو" (شعب الایمان للبیهقی (۷/۲۹۷)

سلف صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کا بیان

۲۸ .قوله: "واتباع السلف الصالح واقتفاء آثارهم و الاستغفار لهم"

ترجمہ: "سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا (اہل السنۃ کے معتقدات میں شامل ہے)"

شرح:

تمام تر خیر وسعادت، رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے اتباع کی پیروی میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اور یہ خبر بھی دی ہے کہ ان فرقوں میں ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے، پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ وہ ایک (جنتی) گروہ کون ہے؟ فرمایا: وہ "الجماعۃ" ہے۔ یہ حدیث پیچھے بیان ہوچکی، نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی گزر چکا:

[...فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى إختلافا كثيرا ، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين ، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [...میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت کو لازم پکڑ لینا، نیز خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو بھی، اسے مضبوطی سے تھام

لینا، بلکہ اپنی داڑھوں میں دبالینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے]

امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی گزر چکا: ''لن یصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها ''یعنی: اس امت کا آخری دور اسی چیز کے ساتھ سنور سکتا ہے، جس چیز کے ساتھ اس امت کا پہلا دور سنورا تھا۔

امام احمد بن حنبل ''الاعتقاد'' کے شروع میں فرماتے ہیں:

''اصول السنة عندنا التمسک بما کان علیه أصحاب رسول الله ﷺ والاقتداء بهم، وترک البدع، وکل بدعة فهی ضلالة، وترک الخصومات والجلوس مع أصحاب الأهواء، وترک المراء والجدال والخصومات فی الدین''

ترجمہ: ''صحابۂ کرام کے منہج کے ساتھ تمسک اور ان کی اقتداء، ہمارے نزدیک اصولِ دین میں سے ہے، نیز بدعات کو چھوڑ دینا بھی؛ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کے علاوہ بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنے اور جھگڑنے سے گریز کرنا، نیز دین میں جدال وخصومت سے بچنا بھی اصولِ دین میں شامل ہے'' (السنة للا لکائی (۱/۱۵۶)

اللہ تعالیٰ نے ان صحابۂ کرام کی ثناء فرمائی جو انصار ومہاجرین کے بعد آئے اور ان کیلئے استغفار کرتے رہے، نیز اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے رہے کہ ان کی بابت ہمارے دلوں میں کوئی کینہ یا خیانت پیدا نہ فرمانا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾

ترجمہ: ''اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے

پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' (الحشر:۱۰)

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب بعض لوگوں کو صحابۂ کرام پر طعنہ زنی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:[أمروا أن يستغفروا لأصحاب النبي ﷺ فسبوهم]

یعنی:[انہیں تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی ﷺ کے صحابہ کیلئے استغفار کریں، مگر یہ انہیں گالیوں سے نواز رہے ہیں] (صحیح مسلم:۳۰۲۲)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ:''جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دینگے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے''

''جامع بيان العلم وفضله ''لابن عبدالبر (۲/ ۹۷) میں عبداللہ بن مسعود ؓ کا یہ قول مذکور ہے:

''من كان منكم متأسيا فليتأس بأصحاب محمد ﷺ ؛فإنهم كانوا أبر هذه الأمة قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا ، وأقومها هديا، وأحسنها حالا، قوما اختارهم الله تعالىٰ لصحبة نبيه ﷺ، فاعرفوا لهم فضلهم ، واتبعوهم فى آثارهم؛ فإنهم كانوا على الهدى المستقيم''

ترجمہ:''تم میں سے جو شخص کسی کو مثال بنا کر پیروی کرنا چاہتا ہے تو وہ محمد ﷺ کے اصحاب کو مثال بنالے؛ کیونکہ یہ لوگ باعتبار دلوں کے اس امت کے سب سے نیک لوگ ہیں، باعتبارِ علم

سب سے گہرے ہیں، باعتبارِ تکلف سب سے کم ہیں، باعتبارِ ہدایت سب سے سیدھے ہیں، باعتبارِ حالت سب سے اچھے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کیلئے چن لیا، ان کے فضل کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کے پیروکار بن جاؤ؛ کہ یہی لوگ صراطِ مستقیم پر فائز ہیں۔"

سنن الدارمی (۲۱۱) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم "یعنی: "تم (اصحابِ رسول ﷺ) کی اتباع کرو اور نئے طریقے اور راستے مت نکالو، ان کی پیروی میں ہی کفایت ہے"

عثمان بن حاضر فرماتے ہیں: "میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: مجھے نصیحت فرمایئے، فرمایا: ہاں، تم اللہ تعالیٰ کے خوف اور استقامت کا راستہ اختیار کئے رکھو، اصحابِ رسول کی اتباع کرو اور بدعت کے اختیار سے گریز کرو" (سنن الدارمی (۱۴۱)

محمد بن سیرین فرمایا کرتے تھے: "كانوا يرون أنه على الطريق ما كان على الاثر"

یعنی: "(صحابہ و تابعین) کا یہ مسلک تھا کہ بندہ جب تک حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ وابستہ ہے، تب تک صراطِ مستقیم پر قائم ہے" (سنن الدارمی (۱۴۲)

سنن الدارمی (۱۴۴) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"تعلموا العلم قبل أن يقبض ، وقبضه أن يذهب أهله ، ألا وإياكم والتنطع والتعمق والبدع ، وعليكم بالعتيق"

ترجمہ: "علم حاصل کرو، قبل اس کے کہ اسے قبض کر لیا جائے، اسکا قبض کرنا، علماء کو اٹھا لینا ہے۔ خبردار دین میں غلو، ضرورت سے زیادہ تعمق اور بدعات سے بچو، اور تم "عتیق" کو لازم پکڑ لو۔"

"عتیق" سے مراد وہ مسئلہ جس پر قرآن و حدیث کی دلیل موجود ہو، اور جس پر سلف صالحین کا عمل ہو، اور جو مُحدَث یعنی نیا نہ ہو۔

محمد بن نصر المروزی کی کتاب ''السنة'' (ص:۸۰) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے: ''تم آج فطرتِ دین پر قائم ہو، اور تم احادیث بیان کرتے ہو، اور تمہارے سامنے احادیث بیان کی جاتی ہیں، لیکن جب تم کوئی بھی نئی چیز دیکھو تو پہلی ہدایت (یعنی اصحابِ رسول ﷺ کا طریقہ) کے ساتھ چمٹ جاؤ''

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اے قراء کی جماعت! تم سیدھے راستے پر چلتے رہو، اللہ کی قسم، اگر تم صراطِ مستقیم پر چلتے رہو گے تو بڑی واضح سبقت حاصل کر لو گے، اور اگر تم دائیں بائیں پھر گئے تو پرلے درجے کے گمراہ ہو جاؤ گے'' (حوالۂ مذکور (ص:۸۷)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اقتصاد فی سنة خیر من اجتهاد فی بدعة، إنک إن تتبع خیر من أن تبتدع، ولن تخطئ الطریق ما اتبعت الأثر''

ترجمہ: ''سنت کی راہ میں تھوڑا عمل، بدعت کی راہ میں ڈھیروں عمل سے افضل ہے، تمہارا اتباع کا راستہ اختیار کرنا، بدعت کے راستے سے بہتر ہے، تم اس وقت تک راستہ نہیں بھٹک سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے آثار پر چل رہے ہو'' (حوالۂ مذکور (ص:۱۰۰)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کے نام ایک کھلے خط میں فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مقابلے میں کسی کی رائے نہیں چل سکتی۔ (حوالۂ مذکور (ص:۹۴)

عروۃ بن زبیر رحمہ اللہ کا قول ہے ''السنن! السنن! فإن السنن قوام الدین''

یعنی: ''سنتوں کو تھامے رہو! سنتوں کو تھامے رہو! کیونکہ سنتیں دین کا قوام ہیں'' (یعنی سنتوں پر عمل کرنے سے دین سیدھا رہتا ہے) (حوالۂ مذکور (ص:۱۱۰)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دین النبی محمد أخبار نعم المطیة للفتی آثار

لا ترغبن عن الحدیث وأهله فالرأی لیل والحدیث نهار

ولربما جهل الفتی أثر الهدی والشمس بازغة لها أنوار

ترجمہ: محمد ﷺ کا دین تو احادیث ہیں، ایک نوجوان کی سب سے بہترین سواری احادیث وآثار ہیں۔ کبھی حدیث یا اہل الحدیث سے بے رغبتی نہ برتنا، کہ رائے تو اندھیری رات ہے اور حدیث جگمگا تا دن۔ کئی لوگوں کو آثارِ ہدایت دکھائی نہیں دیتے (اور یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کیونکہ) سورج تو اپنی شعاؤں کے ساتھ چمک دمک رہا ہے۔

ایک اور شاعر نے بہت ہی خوب فرمایا:

الفقه فی الدین بالآثار مقترن فاشغل زمانک فی فقه وفی أثر

فالشغل بالفقه والآثار مرتفع بقاصد الله فوق الشمس والقمر

ترجمہ: دین کی فقہ تو احادیث کے ساتھ مربوط ومنسلک ہے، لہذا اپنے اوقات کو حدیث وفقہ دونوں کو ساتھ حاصل کرنے میں گزارو۔ حدیث اور فقہ میں اشتغال، اللہ تعالیٰ جو شمس وقمر سے اوپر ہے کے قاصد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔

دین میں جھگڑے سے یکسر گریز کیا جائے

۲۹. "وترک المراء والجدال فی الدین"

ترجمہ: "(اہل السنۃ کے منہج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ) دین میں جھگڑنے سے یکسر گریز کی جائے"

شرح

کتاب وسنت کی اتباع، اور ان کے نصوص پر مکمل استسلام اور انقیاد، اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج

ہے، یہ منہج صافی ان لوگوں کے طریقہ کے خلاف ہے جو عقل پر اعتماد کرنے اور نقل یعنی قرآن وحدیث میں کیڑے نکالنے کی روش پر قائم ہیں، جو اپنے باطل کو لیکر حق سے ٹکرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تا کہ کسی بھی طریقہ سے حق کو دبا دیں۔

حالانکہ قرآن وحدیث اس طرزِ جدال کی مخالفت کرتا ہے، اس سے تحذیر کے حوالے سے کئی دلائل موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴾ (الشوریٰ:۱۸)

ترجمہ: ''یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں''

نیز فرمایا: ﴿ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ﴾ (غافر:۵)

ترجمہ: ''اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں، تا کہ ان سے حق کو پچھاڑ دیں''

نیز فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ ﴾

ترجمہ: ''بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے ساتھ اور سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں'' (الحج:۳)

نیز فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ﴾

ترجمہ: ''بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں'' (الحج:۸)

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال: [إن أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم]

ترجمہ: اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جھگڑالو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہے]

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری (۱۳/۱۸۱) میں جھگڑالو شخص سے مراد کافر یا وہ مسلمان جو اپنے باطل کے ذریعہ حق کے ساتھ مجادلہ کرے، بتلایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے: [ہدایت پالینے کے بعد کسی قوم کا گمراہ ہوجانا "جدل" یعنی جھگڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ مَاضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ (الزخرف:۵۸)

ترجمہ: "تجھ سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو"

(جامع ترمذی (۳۲۵۳) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

صحیح مسلم (۲۶۶۶) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ایک دن میں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں، جو ایک آیتِ کریمہ میں اختلاف کررہے تھے، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور غضب کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نمایاں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: [تم سے پہلے لوگ اپنی اپنی کتابوں میں اختلاف کرنے کی بناء پر برباد ہوگئے]

سنن ابن ماجہ (۲۵۴) میں ہے، جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [علم اس نیت سے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو، اور نہ ہی اس نیت سے کہ سفہاء کے ساتھ جھگڑو، اور نہ ہی اس نیت سے کہ مجالس پر چھا جاؤ، جس نے ان مقاصد کیلئے علم حاصل کیا اس کیلئے آگ ہے، اس کیلئے آگ ہے۔]

ابنِ ابی العزالحنفی نے امام طحاوی کے قول "ولا نماری فی دین اللہ" کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے: "اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارا یہ منہج نہیں ہے کہ ہم اہل الحق پر بدعتیوں کے شبہات وارد کرکے ان سے خصومت یا جدال کریں، تاکہ انہیں مبتلائے شک کرکے، انہیں اہلِ بدعت کی طرف مائل کردیں؛ کیونکہ یہ معاملہ باطل کی طرف دعوت دینے، حق کو خلط ملط کرنے

اور دینِ اسلام کو بگاڑنے کے زمرے میں آتا ہے۔''

جو لوگ کجی اور گمراہی کا شکار ہیں ان کا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خرافات کے ساتھ جدال کرتے ہیں، نیز قرآن کی متشابہات کا اتباع کرتے ہیں۔ جبکہ اہل الحق کا طریقہ اس کے برعکس ہے، وہ محکم اور متشابہ ہر آیت پر ایمان رکھتے ہیں اور متشابہ کے فہم کیلئے اسے محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِهٖ وَمَایَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ إِلَّا اُولُوْا الْأَلْبَابِ . رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً إِنَّکَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ (آل عمران: ۷، ۸)

ترجمہ: ''وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کیلئے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے''

صحیح بخاری (۴۵۴۷) اور صحیح مسلم (۲۶۶۵) میں ہے: اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے آیتِ کریمہ: ﴿ هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ تلاوت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: [جب تم

ایسے لوگ دیکھو جو متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہیں، تو ان سے بچو، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے (اہلِ زیغ) قرار دیا ہے]

سنن الدارمی (۴۰۶) میں ابوجعفر محمد بن علی الباقر کا یہ قول مذکور ہے: ''جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ متشابہات میں غور وخوض کرتے رہتے ہیں''

''جامع بیان العلم وفضلہ'' لابن عبدالبر (۱/۱۳۴) میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہے:

''دین میں جھگڑنا دل کو سخت کر دیتا ہے، اور کینہ وبغض پیدا کر دیتا ہے''

اسی کتاب (۲/۹۳) میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول مذکور ہے:

''جو شخص اپنے دین کو خصومتوں کا نشانہ بنالیتا ہے وہ بے پناہ قلابازیاں کھاتا رہتا ہے''

واضح ہو کہ مجادلہ اس صورت میں حق اور ضروری ہے جب وہ بطریقِ احسن ہو، اور مقصود اظہارِ حق اور ردِ باطل ہو، اس قسم کے مجادلہ کا اللہ تعالیٰ نے خود حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے''

نیز فرمایا: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ (العنکبوت:۴۶)

ترجمہ: '' اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے ظالم ہیں''

حافظ ابنِ عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں ایک باب مناظرہ، خصومت اور جدال کی ناپسندیدگی واضح کرنے کیلئے قائم فرمایا ہے۔ (دیکھئے ص ۹۲ تا ۹۹) پھر ایک

باب مناظرہ اور مجادلہ کے اثبات کیلئے قائم فرمایا ہے، جس کا مقصود اقامتِ حجت ہو (دیکھئے ص ۹۹ تا ۱۰۸) ان دونوں ابواب میں انہوں نے بہت سے نصوص اور اہلِ علم کے آثار نقل فرمائے ہیں۔

بدعات کو کلی طور پر ترک کرنے کا بیان

۳۰۔ " وترک ما احدثه المحدثون ."

ترجمہ: "اہلِ بدعت نے، دین میں جو اضافے کیے ہیں، انہیں کلی طور پہ ترک کر دینا (بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج میں شامل ہے)"

شرح:

مؤلف، ابن ابی زید رحمہ اللہ نے پچھلے صفحات میں یہ بتلایا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا طریق و منہج، سلف صالحین کی اتباع، ان کے نقشِ قدم کی پیروی اور ان کیلئے استغفار کرتے رہنا ہے، نیز دین کے معاملے میں خصومت وجدال سے گریز کرنا ہے۔

یہ سب کچھ بتا کر اب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ بدعت کے اس دین میں اضافوں اور زیادتیوں سے بچنا اور گریز کرنا بھی اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ ہے۔

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے آثار سے بدعات ومحدثات کے سلسلہ میں بڑی تنبیہ اور تحذیر وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پہ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ

تم پرہیزگاری اختیار کرو۔'' (الانعام:۱۵۳)

نیز فرمایا ہے:﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف:۳)

ترجمہ:''تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو''

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:[من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد]

یعنی:[جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی بھی نئی چیز نکالی، وہ مردود ہوگی]

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں:[من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد]

یعنی:[جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہوگا]

رسول اللہ ﷺ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا تھا:

[وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة]

یعنی:[اور تم بچو (دین میں) نئے نئے امور کی اختراع سے؛ کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے]

یہ مکمل حدیث ''الفائدۃ الاولیٰ'' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

نیز صحیح مسلم (۷۶۷) میں مروی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ بھی بیان ہو چکی، جس میں رسول اللہ ﷺ کا ہر خطبۂ جمعہ میں ان الفاظ کے کہنے کا ذکر ہے:[أما بعد فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ:[أما بعد ، بے شک سب سے بہترین حدیث، کتاب اللہ ہے اور سب سے بہترین طریقہ، محمد ﷺ کا ہے، اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو نیا ہو (یعنی قرآن وحدیث سے ثابت

نہ ہو) اور ہر بدعت گمراہی ہے]

پچھلے صفحات میں انس بن مالک ﷺ کی ایک طویل حدیث گزری ہے، جس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی مذکور ہے: [فمن رغب عن سنتی فلیس منی]

یعنی: [جس نے میری سنت سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے نہیں ہے]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

[إن الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته]

یعنی: [بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی شخص سے توبہ چھپالی ہے، جب تک وہ اپنی بدعت کو چھوڑ نہ دے] امام منذری فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ "الترغیب والترھیب" (۱/۶۵) میں بھی ہے۔ شیخ البانی نے "صحیح الترغیب" (۵۲) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہماری اس کتاب کے فقرہ نمبر (۱) میں اس صحابی کا قصہ بیان ہو چکا ہے، جس نے اپنی قربانی کا جانور عید کی نماز سے قبل ذبح کر لیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا: [شاتک شاۃ لحم] یعنی: [تمہاری یہ بکری محض گوشت کی بکری ہے] (یعنی قربانی نہیں ہوئی)

اس کے علاوہ عبداللہ بن مسعود ﷺ کا اثر بھی گزر چکا، جس میں انہوں نے ان لوگوں کے عمل کا انکار فرمایا تھا جو کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہے تھے، انہوں نے فرمایا تھا: "فعدوا سیئاتکم فأنا ضامن أن لا یضیع من حسناتکم شیئ "یعنی: "اس کی بجائے تم اپنے گناہ شمار کر لو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح کم از کم تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی" (اس کے برعکس جو تسبیح کا عمل جس طریقے سے انجام دے رہے ہو یہ چونکہ بدعت ہے لہذا اس بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے تمہاری تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی)

امام محمد بن نصر المروزی کی "کتاب السنۃ" (۸۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول

مذکور ہے: ''کل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة''

یعنی: ''ہر بدعت گمراہی ہے، خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سمجھتے ہوں''

امام شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' (۱/۲۸) میں ہے، ابن الماجشون فرماتے ہیں: میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة، فقد زعم أن محمدا خان الرسالة؛ لأن الله یقول: ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا''

ترجمہ: ''جس شخص نے دینِ اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کر ڈالی اور اسے اچھا سمجھا، تو گویا وہ شخص اس زعمِ باطل میں مبتلا ہے کہ محمد ﷺ نے رسالت پہنچانے میں خیانت سے کام لیا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے، تمہارا دین مکمل کر دیا ہے'' تو جو چیز رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے دور میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی''

ابو نعیم الاصبہانی ''حلیۃ الاولیاء'' (۱۰/۲۴۴) میں ابو عثمان النیسا پوری کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ''من أمر السنة علی نفسه قولا وفعلا نطق بالحکمة، ومن أمر الهویٰ علی نفسه قولا وفعلا نطق بالبدعة''

یعنی: ''جس شخص نے اپنے نفس پر، قولاً وفعلاً، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی حاکمیت قائم کر لی، وہ ناطقِ حکمت ہے، اور جس شخص نے اپنے نفس پر، قولاً وفعلاً، خواہشاتِ نفس کی حکمرانی قائم کر لی، وہ ناطقِ بدعت ہے''

سھل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ کا قول ہے:

''جس شخص نے علم میں کوئی نئی چیز جاری کی اس سے قیامت کے دن اس کی بابت سوال ہوگا، اگر وہ چیز سنت کے مطابق ہوئی تو وہ نجات پا جائے گا، ورنہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

حافظ ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم وفضلہ'' (۲/۹۵) میں فرماتے ہیں:

''ہر علاقے کے تمام محدثین وفقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہلِ کلام (متکلمین) بدعتی اور کجرو ہیں، نیز علماء کے نزدیک وہ لوگ طبقۂ علماء میں شمار نہیں ہوتے، علماء تو صرف وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث حاصل کرتے اور ان میں تفقہ کرتے ہیں، اور احادیث میں اتقان وتمیز کی بناء پر ایک دوسرے پر فوقیت وفضیلت حاصل کرتے ہیں''

امام ابن امام، عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی اپنے'' منظومۂ حائیۃ '' کے مطلع میں کیا خوب فرماتے ہیں:

تمسک بحبل اللہ واتبع الھدی ولا تک بدعیا لعلک تفلح

ودن بکتاب اللہ والسنن التی أتت عن رسول اللہ تنحو وتربح

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے، راہِ ہدایت کی اتباع کرلے، اور بدعتی نہ بن، شاید کہ تو فلاح پاجائے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار بن جا، نجات پاجائے گا، اور خوب نفع حاصل کرے گا۔

آج کے دور میں بڑی بدعات ومحدثات میں سے ایک بدعت کی نشاندھی ہم حوضِ کوثر کی بحث میں کرچکے ہیں، جس میں ایک معاصر نے شرعی صحابیت کو ان انصار ومہاجرین تک محدود کردیا ہے جو صلحِ حدیبیہ سے قبل اسلام لاچکے تھے، وہ ان صحابۂ کرام کو جو حدیبیہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کی، صحابی تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح جن صحابہ نے ہجرت نہیں کی لیکن انہیں نبی ﷺ سے لقاء کا شرف حاصل ہوگیا تھا، انہیں بھی صحابی تسلیم نہیں کرتا، وہ ان تمام صحابہ کی صحبت کو جن میں سرِفہرست عباس بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے عبداللہ جیسے صحابہ کا نام آتا ہے، منافقین وکفار جیسی صحبت قرار دیتا ہے۔

یہ بدعتِ ضلالت ہے، گزشتہ صدیوں میں ایسی بات کوئی نہ کہہ سکا، ایک مثل مشہور ہے: ''کم ترک الاول للآخر ''جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے دور میں گذرے ہوئے بدعتیوں نے، بعد میں آنے والے بدعتیوں کیلئے بہت سی باتیں چھوڑ رکھی ہیں، چنانچہ سابقہ ادوار کے مبتدعین کو تو یہ بدعت نہ سوجھی، لیکن معاصر بدعتی (مالکی) کے ہاتھ لگ گئی۔

ان بدعات کا بوجھ، سابقہ مبتدعین پر بھی ہے اور بعد میں آنے والے وہ مبتدعین بھی اس ہولناک بوجھ کے متحمل ہونگے جو ان کے نقشِ قدم کے پیروکار بن گئے۔

''وصلى الله على سيدنا محمد نبيه، وعلى آله وأزواجه وذريته ،وسلم تسليما كثيرا''

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار، نبی پاک محمد ﷺ پر، آپ کی آل، ازواجِ مطہرات اور ذریات پر رحمتیں اور بہت زیادہ سلامتیاں نازل فرمائے۔

شرح:

مؤلف ابن ابی زید رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ کے مقدمہ کا اختتام رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام سے فرمایا ہے، یہی سلف صالحین کا طریقہ تھا، بہت سے مؤلفین نے اپنی مؤلفات کا اختتام اسی مبارک طریقہ یعنی رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام کے ساتھ کیا ہے۔

اس شرح کی تألیف سے، جمعرات کی صبح، جمادی الاولیٰ کی آٹھ تاریخ ۱۴۲۳ھ کو فراغت حاصل ہوئی۔

(مترجم عبداللہ ناصر الرحمانی کہتا ہے اس ترجمہ کی براہِ راست کمپیوٹر پر املاء سے یکم شعبان ۱۴۲۶ھ بمطابق ۶ ستمبر 2005، بروز منگل فراغت حاصل ہوئی۔)

والحمد لله أولًا واخراً على نعمه الظاهرة والباطنة،وصلى الله وسلم وبارك على عبده ورسوله نبينا وإمامنا محمد ومن سلك سبيله واهتدى بهديه إلى يوم الدين.